جلد ۱۰ | وفا ۱۳۴۸ ھش | شمارہ ۷

جولائی ۱۹۶۹ء

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

سالانہ بدل اشتراک
پاکستان و بھارت چھ روپے
دیگر ممالک تیرہ شلنگ

فی پرچہ ساٹھ پیسے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تَأمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

(آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ

انصار اللہ

ربوہ

وفا ۱۳۴۸ ش

(جولائی ۱۹۶۹ء)

ایڈیٹر

مسعود احمد دہلوی

سالانہ چندہ:- چھ روپے فی پرچہ:- ساٹھ پیسے

فہرستِ مضامین

نمازِ باجماعت اور اس کی بنیادی اہمیت	ایڈیٹر	۳
یاد رکھو میں اس بات پر شاہد ہوں کہ میں نے تم کو سمجھا دیا ہے ۔	حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام	۱۴
ھَوِیْتُ الْحُبَّ حَتّٰی صَارَ رُوْحِیْ (عربی نظم)	〃 〃 〃	۱۸
خود دمد در فانیاں آں پاک ذات (فارسی نظم)	〃 〃 〃	۱۹
قرآنِ کریم اور قیامِ سلسلہ کی غرض	حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالےٰ	۲۰
آخری زمانہ میں مثالی اسلامی معاشرہ کی پیشگوئی	مکرم پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب ایم۔اے	۲۳
سورۂ احزاب اور مقامِ محمدؐ	مکرم مولانا غلام باری صاحب سیف	۳۰
ایک ایمان افروز روایت	مکرم فضل کریم صاحب فارانی	۳۷
عیسائی محققین کی طرف سے قرآنی صداقت کا واضح اعتراف ۔	ایڈیٹر	۳۹

پبلشر :- چوہدری محمد ابراہیم ؛ مطبع :- ضیاء الاسلام پریس ربوہ ؛ مقامِ اشاعت :- دفتر ماہنامہ انصار اللہ
دارالصدر جنوبی - ربوہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جلد ۱۰ ماہنامہ انصار اللہ ربوہ شمارہ ۷

وفا ۱۳۴۸ھش

جملہ اعمالِ حسنہ میں سب سے مقدّم عملِ خیر!

نمازِ باجماعت اور اس کی بنیادی اہمیت

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں مسلمانوں پر بعض اعمال کی پُورے تعہّد کے ساتھ بجا آوری فرض قرار دی ہے اور یہی نہیں بلکہ انہیں بجالانے کی بڑی کثرت سے پُرزور تلقین فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مخصوص اعمال میں سے سب سے مقدّم نماز کو رکھا ہے جیسا کہ قرآنِ مجید کی مندرجہ ذیل آیات سے ظاہر ہے:-

(۱) وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارۡکَعُوۡا مَعَ الرّٰکِعِیۡنَ (بقرہ آیت ۴۴)

اور نماز کو قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور خدا کی خالص پرستش کرنے والوں کے ساتھ مل کر خدا کی خالص پرستش کرو۔

(۲) وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَمَا تُقَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِکُمۡ مِّنۡ خَیۡرٍ تَجِدُوۡہُ عِنۡدَ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ۝ (البقرہ آیت ۱۱۱)

اور نماز کو قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو اور (یاد رکھو) جو نیکی بھی تم اپنی ذات کے لئے آگے بھیجو گے تم اسے اللہ کے پاس پاؤ گے۔ اللہ تمہارے اعمال کو یقیناً دیکھ رہا ہے۔

(۳) فَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاعۡتَصِمُوۡا بِاللّٰہِ ؕ ہُوَ مَوۡلٰىکُمۡ

پس نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ وہ تمہارا آقا ہے

نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝
(الحج آیت ۷۹)

پس کیا ہی اچھا آقا ہے اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔

(۴) وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ
وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ
تُرْحَمُوْنَ ۝ (النور آیت ۵۷)

اور تم سب نمازوں کو قائم کرو اور زکوٰتیں دو اور اس رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

(۵) وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ
وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ
وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ
خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا
وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝
(المزمل آیت ۲۱)

اور نمازیں قائم کیا کرو اور زکوٰتیں دیا کرو اور اللہ کو خوش کرنے کے لئے اپنے مال کا ایک اچھا ٹکڑا کاٹ کر الگ کر دیا کرو اور جو بھلائی بھی تم اپنی جانوں کے لئے آگے بھیجو گے تم اس کو اللہ کے پاس پا لو گے وہ بہتر نتیجہ نکالنے والا اور زیادہ سے زیادہ اجر دینے والا ہے اور اللہ سے استغفار کرو۔ اللہ بہت معاف کرنیوالا اور بے حد رحم کرنیوالا ہے۔

(۶) اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ
اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ
اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝
(بنی اسرائیل آیت ۷۹)

تو سورج کے ڈھلنے کے وقت سے لیکر رات کے خوب تاریک ہو جانے کے وقت تک کی مختلف گھڑیوں میں نماز کو قائم رکھ اور صبح کے وقت قرآن کے پڑھنے کو بھی لازم سمجھ۔ صبح کے وقت قرآن کا پڑھنا یقیناً ایک مقبول عمل ہے۔

یہ آیات ہم نے نمونہ اور مثال کے طور پر یہاں درج کی ہیں ورنہ قرآن مجید میں اوّل سے آخر تک بکثرت ایسی آیات آتی چلی جاتی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے بعض مخصوص نیک اعمال بجا لانے کی پُرزور تلقین فرمائی ہے اور ان میں سب سے مقدم نماز کو رکھا ہے۔ ان جملہ آیات کے ضمن میں ایک خاص قابلِ غور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پورے قرآن مجید میں کہیں بھی محض نماز پڑھنے کی تلقین نہیں فرمائی بلکہ جہاں بھی فرمایا ہے یہی فرمایا ہے کہ نماز کو قائم کرو۔ طبعاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں کیا گیا ہے؟ بلا استثناء ہر جگہ نماز پڑھنے کی تلقین کی بجائے نماز کو قائم کرنے کی تلقین کرنے میں کیا حکمت ہے؟ سو اس میں حکمت جیسا کہ سیدنا حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تفسیر کبیر میں فرمایا ہے یہی ہے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ نے بار بار یہ

تلقین فرمائی ہے کہ فرض نمازوں کو باجماعت ادا کرو۔ چنانچہ حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :-

"قرآن کریم میں نماز پڑھنے کا جہاں بھی حکم آیا ہے اَقِیْمُوا الصَّلوٰۃَ کے الفاظ سے آیا ہے کبھی بھی خالی صَلُّوا کے الفاظ استعمال نہیں ہوئے۔ یہ امر اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اصل حکم یہ ہے کہ فرض نماز کو باجماعت ادا کیا جائے اور یہ کہ بغیر جماعت کے نماز صرف مجبوری کے تحت جائز ہے، جیسے کوئی کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے تو اُسے بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت ہے۔ پس جس طرح کوئی کھڑا ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت رکھتا ہو لیکن بیٹھ کر پڑھے تو وہ یقیناً گنہگار ہوگا۔ اسی طرح جسے باجماعت نماز کا موقع مل سکے مگر وہ باجماعت نماز ادا نہ کرے تو وہ بھی گنہگار ہوگا۔" (تفسیر کبیر جلد اوّل جزء اوّل صفحہ ۱۰۶)

پھر یہ امر کہ نماز کو قائم کرنے سے مراد باجماعت نماز ادا کرنا ہی ہے اس امر سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جب باجماعت نماز شروع ہونے لگتی ہے تو باقاعدہ اقامت کا اعلان کیا جاتا ہے اور اس میں یہ الفاظ کہے جاتے ہیں قَدْ قَامَتِ الصَّلوٰۃُ، قَدْ قَامَتِ الصَّلوٰۃُ یعنی نماز کھڑی ہوگئی ہے علیحدہ اپنے طور پر نماز پڑھتے وقت اقامت کا اعلان نہیں کیا جاتا۔ یہ اعلان صرف نماز باجماعت میں ہی ہوتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اَقِیْمُوا الصَّلوٰۃَ کے حکم کی رُو سے اسلام کا اصل حکم یہی ہے کہ ہر فرض نماز باجماعت ہی ادا کی جائے۔

پس نماز باجماعت وہ عمل خیر ہے جسے تمام دوسرے اعمالِ حسنہ پر تقدم حاصل ہے۔ دوسرے نیک اعمال اُس وقت تک عنداللہ مقبول اور نتیجہ خیز قرار نہیں پا سکتے جب تک کہ پورے التزام کے ساتھ فرض نمازیں مسجد میں باجماعت ادا نہ کی جائیں۔

نماز باجماعت کی فرضیت اور اس کی بنیادی اہمیت کے پیشِ نظر ہی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں باجماعت نماز ادا کرنے والوں کو بڑی عظیم الشان بشارتوں سے نوازا ہے۔ کبھی فرماتا ہے کہ باجماعت نماز ادا کرنیوالوں کا اجر ضائع نہیں ہوتا جیسا کہ فرمایا۔ "جو لوگ کتاب کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں اور انہوں نے نماز کو قائم رکھا ہے ہم ایسے مصلحین کے اجر کو ضائع نہیں کریں گے" (الاعراف آیت ۱۷۱)۔ پھر فرماتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ باجماعت نماز ادا کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں ہوگا بلکہ ہم انہیں اجرِ عظیم عطا کریں گے جیسا کہ فرمایا "اور خصوصاً نماز کو قائم کرنے والے اور زکوٰۃ دینے والے اور اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان لانے والے ان لوگوں کو ہم ضرور بہت بڑا اجر دیں گے" (النساء آیت ۱۶۳) نیز فرماتا ہے کہ اس اجرِ عظیم کا ایک نتیجہ

یہ ہو گا کہ خوف اور غم پوری پابندی کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرنے والوں کے قریب بھی نہ پھٹکے گا جیسا کہ فرمایا "جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک اور مناسبِ حال عمل کرتے ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اُن کے لئے اُن کے رب کے پاس یقیناً اُن کا اجر محفوظ ہے اور انہیں نہ تو کسی قسم کا خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے" (البقرہ آیت ۲۷۸)۔ بھلا جب باجماعت نماز ادا کرنے والوں کو اجرِ عظیم ملتا ہے اور خوف اور غم ان کے نزدیک نہیں پھٹکتا تو پھر خدا انہیں فلاحِ دارین کی کیوں بشارت نہ دے چنانچہ فرماتا ہے "اور ان لوگوں کو بھی خوشخبری دیدے جو اپنے پر نازل ہونے والی مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں" (الحج آیت ۳۶) وہ خوشخبری کیا ہے ؟ فرماتا ہے "جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں اور جو تجھ پر نازل کیا گیا ہے یا جو تجھ سے پہلے نازل کیا گیا تھا اس پر ایمان لاتے ہیں اور آئندہ ہونے والی موعود باتوں پر بھی یقین رکھتے ہیں یہ لوگ یقیناً اس ہدایت پر قائم ہیں جو ان کے رب کی طرف سے آئی ہے اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں" (البقرہ آیات ۴ تا ۶) اور وہ کامیابی یہ ہے کہ "جو لوگ اپنی (باجماعت) نمازوں کی حفاظت کرتے رہتے ہیں یہی لوگ اصل وارث ہیں جو فردوس کے وارث ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہتے چلے جائیں گے" (المومنون آیات ۱۰ تا ۱۲)

قرآنِ مجید کی رُو سے نماز باجماعت کی اس عظیم الشان فضیلت کے پیشِ نظر ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلٰوةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِيْنَ دَرَجَةً

نماز باجماعت تنہا نماز پڑھنے پر ستائیس گنا فضیلت رکھتی ہے۔

(بخاری باب بدء الاذان)

یاد رہے یہاں جس تنہا نماز پڑھنے کا ذکر ہے وہ نماز وہ ہے جو کسی بھول یا فروگزاشت کے نتیجہ میں باجماعت نہ پڑھ سکنے کے نتیجہ میں علیحدہ پڑھی جائے ورنہ جیسا کہ اُوپر قرآنِ مجید کی رُو سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ جو شخص شرعی عذر نہ ہونے کے باوجود جان بُوجھ کر باجماعت نماز ادا نہیں کرتا وہ قرآنِ مجید کے صریح اور واضح حکم کی خلاف ورزی کرنے کی بنا پر عند اللہ گنہگار ہے۔ اس کا عمداً علیحدہ نماز پڑھنا کسی اجر کا موجب کیونکر ہو سکتا ہے۔ اجر کے محفوظ ہونے کا وعدہ تو انہی کے حق میں کیا گیا ہے جو باجماعت نماز ادا کرتے اور اس کی حفاظت میں کوشاں رہتے ہیں۔

نماز باجماعت کا ایسا عظیم الشان اجر اللہ تعالیٰ نے کیوں مقرر فرمایا ہے؟ اس کی وجہ وہ عظیم الشان برکات اور وہ دینی و دنیوی منافع ہیں جو اللہ تعالیٰ نے نماز باجماعت میں رکھے ہیں۔ جو شخص کسی جائز مجبوری کے بغیر جان بوجھ کر نماز باجماعت سے پہلوتہی کرتا اور علیحدہ نماز پڑھتا ہے وہ خود ہی ان عظیم الشان برکات اور دینی و دنیوی منافع سے محروم نہیں رہتا بلکہ ایک رنگ میں پوری جماعت کو بھی نقصان پہنچانے کا موجب بنتا ہے اسی لئے وہ عنداللہ کسی اجر کا مستحق نہیں رہتا۔ قرآن مجید اور احادیث نبوی میں نمازِ باجماعت کی عظیم الشان برکات اور اس کے دینی و دنیوی منافع پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے یعنی یہ کہ نماز بے حیائی اور گناہوں سے روکتی اور ان کے خلاف سپر کا کام دیتی ہے۔ نیکیوں میں ترقی کا ذریعہ بنتی اور روحانی علو و ارتقاع کا باعث بنتی ہے۔ نماز باجماعت ادا کرنے کی نیت سے جب ایک مومن مسجد کی طرف جاتا ہے تو ہر ایک قدم پر اسے ثواب ملتا ہے اور قدم بقدم اس کے درجات بلند ہوتے چلے جاتے ہیں۔ پھر جتنا عرصہ وہ نماز کے انتظار میں مسجد میں گزارتا ہے وہ سارا وقت نماز میں ہی شمار ہوتا اور اس کے اجر کو بڑھانے کا موجب بنتا ہے اور اس تمام عرصہ میں فرشتے اس کے لئے دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ الغرض قرآن مجید اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نمازِ باجماعت کی بہت سی برکات اور اس کے بے اندازہ دینی و دنیوی منافع پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان میں سے ایک برکت ایسی بھی ہے جو اس درجہ بنیادی اہمیت کی حامل ہے کہ مسلمانوں کی جماعتی زندگی کی بقا و استحکام اور بحیثیتِ مجموعی ان کی دینی و دنیوی فلاح اس کے ساتھ وابستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ نماز باجماعت مسلمانوں کے مابین شیرازہ بندی، اتحاد و اتفاق اور باہمی محبت و اخوت کے قیام کا ایک نہایت ہی اہم ذریعہ ہے۔ اس کے نتیجہ میں تمام مسلمان ایک وجودِ واحد کی صورت اختیار کر کے بے پناہ قوت و طاقت اپنے اندر پیدا کر لیتے ہیں جو انہیں دینی و دنیوی فلاح اور مادی و روحانی ترقی کی راہوں پر گامزن رکھنے کا وسیلہ ٹھہرتی ہے۔ بالفاظِ دیگر ہم کہہ سکتے ہیں کہ وحدتِ قومی کی جان نماز باجماعت ہے۔

جیسا کہ ہم اس مضمون کے آغاز میں ہی ذکر کر چکے ہیں اللہ تعالیٰ سورۃ الحج کی آیت ۷۹ میں فرماتا ہے فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ هُوَ مَوْلٰىكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِیْرُ یعنی التزامِ جماعت کے ذریعہ نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اس طرح اللہ کو مضبوطی سے پکڑ لو وہ تمہارا آقا ہے پس کیا ہی اچھا آقا ہے اور کیا ہی اچھا مددگار۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ باور کرایا ہے کہ نماز باجماعت اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا التزام بھی اپنی جگہ حَبْلُ اللّٰہِ کا درجہ رکھتا ہے، اسی حبل اللہ کا جس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران میں فرمایا ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْكُمْ

إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا یعنی تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور پراگندہ مت ہو اور اللہ کا احسان جو اس نے تم پر کیا ہے۔ یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی جس کے نتیجہ میں تم اسکے احسان سے بھائی بھائی بن گئے۔ سورۃ الحج اور سورۃ آل عمران کی مذکورہ بالا ہر دو آیات کو ملا کر پڑھنے سے صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ حبل اللہ سے مراد نماز باجماعت کا التزام بھی ہے جس کے نتیجہ میں سب لوگوں کے ایک امام کے تابع ہو کر دن میں پانچ مرتبہ باہم جمع ہونے سے وہ فردِ واحد کے حکم میں آجاتے ہیں۔

اس امر کی تائید کہ نماز باجماعت ہی وہ حَبْلُ اللّٰہ ہے جس کے نتیجہ میں اتحاد و اتفاق اور باہمی محبت و اخوت پیدا ہوتی ہے سورۃ المائدہ کی آیت ۵۶ سے بھی ہوتی ہے جس میں مسلمانوں کو یہ باور کرایا گیا ہے کہ تمہارے دوست خدا اور رسولؐ کے علاوہ صرف وہ مومن ہیں جو باجماعت نماز ادا کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا:۔

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ۝ (المائدہ آیت ۵۶)

تمہارے دوست صرف اللہ اور اس کا رسول اور وہ مومن ہیں جو نماز کو قائم (یعنی نماز باجماعت کا التزام) رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور ساتھ ہی وہ پکے موحد ہیں۔

اس سے اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ اور ایسے مومنوں کو جو باجماعت نماز کا التزام رکھتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اپنا دوست اور مددگار بناتے ہیں یقیناً وہی حزبُ اللہ یعنی اللہ کی جماعت ہیں اور یقیناً ایسے مومن یعنی اللہ کی جماعت ہی غالب ہو کر رہنے والی ہے۔

اسی طرح ایک اور سورۃ میں اللہ تعالیٰ بدعہد اور حد سے بڑھنے والے کفار اور مشرکوں کا ذکر کرتے ہوئے مسلمانوں کو خبردار کرتا ہے کہ اگر ایسے بدعہد دشمن بھی توبہ کر لیں اور اس توبہ کے نتیجہ میں وہ تمہاری ہی طرح نماز باجماعت کے سختی سے پابند ہو جائیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو چونکہ وہ ایسی صورت میں حبل اللہ کو مضبوطی سے تھامنے والے بن جائیں گے اس لئے تمہارا فرض ہوگا کہ تم ان سے ہر قسم کی مخاصمت فوراً ترک کر دو اور انہیں تم اسی طرح اپنا دوست اور دینی بھائی سمجھنے لگو جس طرح تم انہی اوصاف کی وجہ سے آپس میں بھائی بھائی ہو۔ چنانچہ فرماتا ہے:۔

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ　　پس اگر وہ توبہ کر لیں اور نمازوں کو قائم کریں

وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ ۔ (التوبہ آیت ۱۱)　　اور زکوٰۃ دیں تو وہ دین میں تمھارے بھائی ہیں۔

اِن سب آیات پر یکجائی نظر ڈالنے سے صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ نماز باجماعت کا التزام مومنوں کے حق میں رُوحانی عُلوّ و ارتقاع کا ہی باعث نہیں ہے بلکہ ان کا جماعتی اتحاد و اتفاق اور شیرازہ بندی و یکجہتی بھی اِسی کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہ بھی اپنی جگہ وہ حبل اللہ ہے جسے مضبوطی سے تھامے بغیر مومن، حزب اللہ یعنی الٰہی جماعت نہیں کہلا سکتے اور جس کے بغیر ان کے غالب آنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ امام الزمان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو از سرِ نو دنیا میں غالب کرنے کے لئے اِس آخری زمانہ میں ایک حزب اللہ یعنی الٰہی جماعت قائم فرمائی۔ نماز باجماعت کی اِس حکمت اور فلسفہ کو بار بار اور بہ تکرار بہت کھول کھول کر بیان فرمایا۔ آپؑ نے ۲۱ اگست ۱۹۰۴ء کو لاہور میں احباب جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:-

"اللہ تعالیٰ کا یہ منشاء ہے کہ تمام انسانوں کو ایک نفسِ واحد کی طرح بناوے۔ اس کا نام وحدتِ جمہوری ہے جس سے بہت سے انسان بحالتِ مجموعی ایک انسان کے حکم میں سمجھے جاتے ہیں۔ مذہب سے بھی یہی منشاء ہوتا ہے کہ تسبیح کے دانوں کی طرح وحدتِ جمہوری کے ایک دھاگہ میں سب پروئے جائیں۔ یہ نمازیں باجماعت جو کہ ادا کی جاتی ہیں وہ بھی اسی وحدت کے لئے ہیں تا کہ کُل نمازیوں کا ایک وجود شمار کیا جاوے اور آپس میں مل کر کھڑے ہونے کا حکم اس لئے ہے کہ جس کے پاس زیادہ نور ہے وہ دوسرے کمزور میں سرایت کر کے اُسے قوت دیوے۔ حتّٰی کہ حج بھی اِسی لئے ہے۔

اِس وحدتِ جمہوری کو پیدا کرنے اور قائم رکھنے کی ابتداء اِس طرح سے اللہ تعالیٰ نے کی ہے کہ اوّل یہ حکم دیا کہ ہر ایک محلّہ والے پانچ وقت نمازوں کو باجماعت محلّہ کی مسجد میں ادا کریں تا کہ اخلاق کا تبادلہ آپس میں ہو اور انوار مل ملا کر کمزوری کو دُور کر دیں اور آپس میں تعارف ہو کر اُنس پیدا ہو جاوے۔ تعارف بہت عمدہ شے ہے کیونکہ اس سے اُنس بڑھتا ہے جو کہ وحدت کی بنیاد ہے۔.....

پھر دوسرا حکم یہ ہے کہ جمعہ کے دن جامع مسجد میں جمع ہوں۔ چونکہ ایک شہر کے لوگوں کا ہر روز جمع ہونا تو مشکل ہے اِس لئے یہ تجویز کی کہ شہر کے سب لوگ ہفتہ میں ایک

دفعہ مل کر تعارف اور وحدت پیدا کریں۔ آخر کبھی نہ کبھی تو سب ایک ہو جاویں گے۔ پھر سال کے بعد عیدین میں یہ تجویز کی کہ دیہات اور شہر کے لوگ مل کر نماز ادا کریں تاکہ تعارف اور اُنس بڑھ کر وحدتِ جمہوری پیدا ہو۔ پھر اسی طرح تمام دُنیا کے اجتماع کے لئے ایک دن عمر بھر میں مقرر کر دیا کہ مکّہ کے میدان میں سب جمع ہوں۔ غرضیکہ اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے کہ آپس میں اُلفت اور اُنس ترقی پکڑے۔"

(ملفوظات جلد ہفتم صفحہ ۱۲۹، ۱۳۰)

اسی طرح حضور علیہ السلام نے ۴؍مارچ ۱۹۰۵ء کو لدھیانہ میں تقریر ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا:۔

"اسلام کی مثال ہم یوں دے سکتے ہیں کہ جیسے باپ اپنے حقوقِ ابوّت کو چاہتا ہے اسی طرح وہ چاہتا ہے کہ اولاد میں ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی ہو، وہ نہیں چاہتا کہ ایک دوسرے کو مارے۔ اسلام بھی جہاں یہ چاہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا کوئی شریک نہ ہو وہاں اس کا یہ بھی منشا ہے کہ نوعِ انسان میں مودّت اور وحدت ہو۔

نماز میں جو جماعت کا زیادہ ثواب رکھا ہے اس میں یہی غرض ہے کہ وحدت پیدا ہوتی ہے اور پھر اس وحدت کو عملی رنگ میں لانے کی یہاں تک ہدایت اور تاکید ہے کہ باہم پاؤں بھی مساوی ہوں اور صف سیدھی ہو اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ گویا ایک ہی انسان کا حکم رکھیں اور ایک کے انوار دوسرے میں سرایت کر سکیں۔ وہ تمیز جس سے خودی اور خود غرضی پیدا ہوتی ہے نہ رہے۔ یہ خوب یاد رکھو کہ انسان میں یہ قوت ہے کہ وہ دوسرے کے انوار کو جذب کرتا ہے۔

پھر اسی وحدت کے لئے حکم ہے کہ روزانہ نمازیں محلّہ کی مسجد میں ادا ہوں اور مسلمان ہفتہ کے بعد شہر کی مسجد میں اور پھر سال کے بعد عید گاہ میں جمع ہوں اور کُل زمین کے مسلمان سال میں ایک مرتبہ بیت اللہ میں اکٹھے ہوں۔ ان تمام احکام کی غرض وہی وحدت ہے۔"

(ملفوظات جلد ہشتم صفحہ ۲۴۷، ۲۴۸)

قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیات اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مذکورہ بالا ارشادات سے واضح ہو جاتا ہے کہ رُوحانی علُوّ و ارتقاء اور جماعتی شیرازہ بندی، وحدت اور باہمی محبت و اخوّت کے

نقطۂ نگاہ سے نماز باجماعت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ جو شخص نماز باجماعت میں سستی دکھاتا اور اس سے پہلو تہی کرتا ہے وہ خود ہی روحانی ترقی کے دروازے اپنے اُوپر بند نہیں کرتا بلکہ جماعتی اتحاد واتفاق اور جماعتی ترقی وغلبہ کی راہ مسدود کرنے کا باعث بھی بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اِس بارہ میں ایک خاص جوش اور تڑپ پائی جاتی تھی کہ آپؐ پر ایمان لانے والے اِس درجہ نماز باجماعت کے پابند بن جائیں کہ اُن کے لئے اِس بارہ میں کسی قسم کی غفلت یا سستی کا ارتکاب ممکن ہی نہ رہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا :-

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ بِحَطَبٍ فَیُحْطَبُ ثُمَّ اٰمُرَ بِالصَّلٰوۃِ فَیُؤَذَّنَ لَهَا ثُمَّ اٰمُرَ رَجُلًا فَیَؤُمَّ النَّاسَ ثُمَّ اُخَالِفَ اِلٰی رِجَالٍ فَاُحَرِّقَ بُیُوْتَهُمْ۔

(بخاری باب بدء الاذان)

قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ یقیناً میرا جی چاہتا ہے کہ ایندھن لانے کا حکم دوں اور پھر اسے آگ لگائی جائے پھر حکم دوں کہ نماز کے لئے اذان دی جائے پھر اپنی جگہ کسی اور شخص کو نماز کا امام بناؤں اور خود ان لوگوں کی طرف جاؤں جو نماز میں حاضر نہ ہوئے ہوں اور ان کے گھروں کو ان کے سمیت جلا دوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس خواہش کو کبھی بھی عملی جامہ نہیں پہنایا مگر بوجہ رحمتِ مجسّم ہونے کے آپؐ کے دل میں بعض کمزور مومنوں یا منافقوں کی خدا تعالیٰ کے دربار سے غیر حاضری اور جماعتی اتحاد اور وحدت میں رخنہ اندازی نے از حد غم واندوہ پیدا کیا۔ چنانچہ آپؐ نے مندرجہ بالا الفاظ میں اپنے اُس قلبی غم کا اظہار کرنا ضروری سمجھا۔

پھر یہی وجہ ہے کہ حضرت حکیم الامّت الحاج حافظ مولانا حکیم نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ ایامِ جوانی میں جن دنوں مدینہ منوّرہ میں حضرت شاہ عبدالغنی ؒ سے تعلیم پا رہے تھے ایک روز ظہر کی نماز آپ کو جماعت سے نہ مل سکی تو آپ نے اسے معمولی فروگزاشت نہ سمجھا بلکہ آپ کو اِس قدر رنج اور قلق ہوا اور آپ کا دل اِس قدر خوف سے بھر گیا کہ آپ نے خیال کیا کہ :-

"یہ اتنا بڑا کبیرہ گناہ ہے کہ قابلِ بخشش ہی نہیں"

لکھا ہے کہ اُس وقت خوف کے مارے آپ کا رنگ زرد پڑ گیا اور مسجد کے اندر داخل ہونے سے بھی آپ کو ڈر محسوس ہونے لگا۔ بہرحال اِسی خوف کی حالت میں ڈرتے ڈرتے آپ مسجد نبوی میں داخل ہوئے وہاں ایک "باب الرحمت" ہے اُس پر لکھا ہوا تھا یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔ اِس تسلّی آمیز آیت کو پڑھ کر بھی خوف کی حالت دُور نہ ہوئی اور آپ برابر یہی سمجھتے رہے کہ یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ قابلِ بخشش ہی نہیں۔ اِسی غم و اندوہ کی حالت میں منبرِ نبویؐ اور حجرہ شریف کے درمیان نماز شروع کی۔ رکوع میں پہنچے تو بڑے زور سے دل میں یہ خیال پیدا ہُوا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ مَا بَيْنَ بَيْتِيْ وَمِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ اور جنّت تو وہ مقام ہے کہ وہاں جو التجا کی جائے بل جاتی ہے۔ اِس خیال کے آتے ہی آپ کے دل کو بہت ڈھارس ہوئی چنانچہ آپ نے جنابِ الٰہی میں بڑے درد سے دُعا کی کہ الٰہی میرا یہ قصور معاف فرما دے۔ (حوالہ کے لئے دیکھیں مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۰۷، ۱۰۸ و حیاتِ نور صفحہ ۶۳)

نماز با جماعت کی بنیادی اہمیت، اس کی عظیم الشان برکات اور رب العزّت اجر و ثواب نیز اِس بارے میں غفلت کے انتہائی خطرناک نتائج کے پیشِ نظر بالخصوص ہمارے لئے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک عظیم الشان مامور کے ذریعہ از سرِ نو حِزْبُ اللّٰهِ میں شمولیت کا شرف بخشا ہے نماز باجماعت کے بارہ میں خاص تعہّد سے کام لینا از بس ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس آخری زمانہ میں اسلام کو دنیا بھر میں غالب کرنے کی غرض سے ہی جماعتِ احمدیہ کو قائم کر کے از سرِ نو ایک حِزب اللّٰہ کی بنیاد ڈالی ہے۔ ہمارے کامیاب ہونے اور ہمارے ذریعہ اسلام کے دنیا میں غالب آنے کی ایک ہی راہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں نشاندہی فرمائی ہے اور وہ یہ ہے کہ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ۔ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ (المائدہ آیات ۵۶، ۵۷) یعنی یہ کہ ہم باجماعت نمازوں کے التزام میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھیں، غلبۂ اسلام کی راہ میں اپنے اموال بے دریغ خرچ کریں اور کرتے چلے جائیں اور توحیدِ خالص پر مضبوطی سے قائم ہوتے ہوئے اُسی پر اپنا سارا بھروسہ رکھیں اور اُسی کو اپنا مددگار اور دوست بنائیں۔ جب تک ہم اپنے اندر یہ اوصاف پیدا کر کے انکے جملہ عملی تقاضوں کو پُورے تعہّد کے ساتھ پُورا کرتے چلے جائیں گے اُس وقت تک اللہ تعالیٰ ہمیں حِزب اللّٰہ ہی بنائے رکھے گا اور اپنے وعدہ کے بموجب ہمارے ذریعہ اسلام کو دُنیا میں غالب کرتا چلا جائے گا یہاں تک کہ اسلام پُورے کرّۂ ارض پر غالب آ جائے گا۔ نماز باجماعت اور مالی قربانیوں

کی اس بنیادی اہمیت کے پیشِ نظر ہی سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل اور سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے اپنے زمانہ میں جماعت کو بڑی شدومد کے ساتھ نماز باجماعت کا خاص التزام کرنے کی تلقین کرتے رہے ہیں اور اب سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز جماعت کو اپنے خطبات میں بار بار اور بہ تکرار نماز باجماعت کے بارہ میں خاص تعہد سے کام لینے اور بیش از پیش مالی قربانیاں کرنے کی طرف توجہ دلا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں نماز باجماعت کی بنیادی اہمیت کو سمجھنے اور اس پر پُورے تعہد اور عزم کے ساتھ کاربند ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں ہمیشہ ہی حزب اللہ میں شامل رکھتے ہوئے نماز باجماعت کی عظیم الشان برکات اور بے انداز اجر و ثواب سے بہرہ ور فرمائے تا ہم عنداللہ ہمیشہ ہی حزب اللہ میں شامل رہیں اور ہمارے ذریعہ اسلام دنیا میں غالب آتا چلا جائے یہاں تک کہ پورے کُرّۂ ارض پر محیط ہو جائے آمین ثمّ آمین ؁

ایمان کی جڑ نماز ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"ہر ایک اُمّت اُس وقت تک قائم رہتی ہے جب تک اس میں توجہ الی اللہ قائم رہتی ہے۔ ایمان کی جڑ بھی نماز ہے۔ بعض بے وقوف کہتے ہیں کہ خدا کو ہماری نمازوں کی کیا حاجت ہے۔ اے نادانو! خدا کو حاجت نہیں مگر تم کو تو حاجت ہے کہ خدا تعالیٰ تمہاری طرف توجہ کرے۔ خدا کی توجہ سے بگڑے ہوئے کام سب درست ہو جاتے ہیں۔ نماز ہزاروں خطاؤں کو دُور کر دیتی ہے اور ذریعہ حصولِ قربِ الٰہی ہے۔"

(ملفوظات جلد ہفتم ص۳۷۸)

کلماتِ طیبات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

یاد رکھو میں اس بات پر شاہد ہوں کہ میں نے تم کو سمجھا دیا ہے

نماز ادا کرو، دعائیں بہت کرو، قرآن کو بہت پڑھو، عاجزی اختیار کرو، گناہ سے بچو اور دین کو دنیا پر مقدم رکھو!

خدا تعالیٰ کا سچا غلام وہی ہوتا ہے جو دین کو دنیا پر مقدم رکھتا ہے

۱۱ اپریل ۱۹۰۲ء کو نماز جمعہ کے بعد چند اشخاص نے بیعت کی۔ اس موقع پر امام الزمان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ذیل کی تقریر ارشاد فرمائی:-

"اس وقت جو تم بیعت کرتے ہو یہ بیعتِ توبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ جو کوئی توبہ کرے گا اس کے گناہ بخش دوں گا۔ گناہ کے یہ معنی ہیں کہ انسان دیدہ و دانستہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے اور اُن احکام کے برخلاف کرے جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور اُن باتوں کو کرے جن کے کرنے سے منع فرمایا ہے۔ گناہ ایسی چیز ہے کہ جس کا نتیجہ اس دنیا میں بھی بد ملتا ہے اور آخرت میں بھی۔

جب انسان توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو فراموش کر دیتا ہے اور تائب کو بے گناہ سمجھتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ تائب اپنی توبہ پر قائم رہے۔ بہت لوگ ایسے ہیں کہ توبہ کر کے بھول جاتے ہیں۔ مثلاً حج کرنے والے حج کر کے آتے ہیں اور واپس آ کر چند دنوں کے بعد پھر سابقہ بدیوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں، تو اُن کے اس حج سے کیا فائدہ؟ خدا تعالیٰ گناہوں سے ہمیشہ بیزار ہے اس لئے انسان کو گناہ سے ہمیشہ بچنا چاہیئے۔ جو شخص اس بات پر قادر ہے کہ گناہ چھوڑ دے اور پھر نہ چھوڑے تو خدا تعالیٰ ایسے شخص کو ضرور پکڑے گا۔ اگر تم چاہتے ہو کہ اس توبہ کے درخت سے پھل کھاؤ اور تمہارے گھر وباؤں سے بچے رہیں تو چاہیئے کہ سچی توبہ کرو۔ خدا تعالیٰ اپنی سُنّت کو نہیں بدلا کرتا جیسے قرآن شریف میں ہے وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔ جو انسان ذرا سی بھی نیکی کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اسے ضائع نہیں کرتا۔

اسی طرح جو ذرہ بھر بدی کرتا ہے اس پر بھی خدا تعالیٰ مواخذہ کرتا ہے۔ پس جب یہ حالت ہے تو گناہ سے بہت بچنا چاہیئے۔ بعض لوگ گناہ کرتے ہیں اور پھر اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ گویا گناہ کو ایک شیریں شربت کی مثال خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے کوئی نقصان نہ ہوگا۔ مگر یاد رکھیں کہ جیسے خدا تعالےٰ بڑا غفور اور رحیم ہے ویسے ہی وہ بڑا بے نیاز بھی ہے۔ جب وہ غضب میں آتا ہے تو کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ وہ فرماتا ہے وَلَا یَخَافُ عُقْبٰهَا۔ یعنی کسی کی اولاد کی بھی اسے پرواہ نہیں ہوتی کہ اگر فلاں شخص ہلاک ہوگا تو اس کے یتیم بچے کیا کریں گے۔ آجکل دیکھو یہی حالت ہو رہی ہے۔ آخر کار ایسے بچے پادریوں کے ہاتھ پڑ جاتے ہیں۔ اس لئے گناہ کرکے کبھی بے پرواہ مت رہو اور ہمیشہ توبہ کرو۔

یہ مت خیال کرو کہ جو نماز کا حق تھا ہم نے ادا کر لیا یا دُعا کا جو حق تھا وہ ہم نے پُورا کیا۔ ہرگز نہیں۔ دعا اور نماز کے حق کا ادا کرنا چھوٹی بات نہیں۔ یہ تو ایک موت اپنے اُوپر وارد کرنا ہے۔ نماز اس بات کا نام ہے کہ جب انسان اسے ادا کرتا ہو تو یہ محسوس کرے کہ اِس جہان سے دوسرے جہان میں پہنچ گیا ہوں۔ بہت سے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر الزام لگاتے ہیں اور اپنے آپ کو بَری خیال کرکے کہتے ہیں کہ ہم نے تو نماز بھی پڑھی اور دُعا بھی کی ہے مگر قبول نہیں ہوتی۔ یہ اُن لوگوں کا اپنا قصور ہوتا ہے۔ نماز اور دُعا جب تک انسان غفلت اور کسل سے خالی نہ ہو، تو وہ قبولیت کے قابل نہیں ہوا کرتی۔ اگر انسان ایک ایسا کھانا کھائے جو کہ بظاہر تو میٹھا ہے مگر اس کے اندر زہر ملی ہوئی ہے تو مٹھاس سے وہ زہر معلوم تو نہ ہوگا مگر پیشتر اس کے کہ مٹھاس اپنا اثر کرے زہر پہلے ہی اثر کرکے کام تمام کر دے گا۔ یہی وجہ ہے کہ غفلت سے بھری ہوئی دُعائیں قبول نہیں ہوتیں کیونکہ غفلت اپنا اثر پہلے کر جاتی ہے۔ یہ بات بالکل ناممکن ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا بالکل مطیع ہو اور پھر اس کی دُعا قبول نہ ہو۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ اس کے مقررہ شرائط کو کامل طور پر ادا کرے۔ جیسے ایک انسان اگر دُوربین سے دُور کی شئے نزدیک دیکھنا چاہے تو جب تک وہ دُوربین کے آلہ کو ٹھیک ترتیب پر نہ رکھے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ یہی حال نماز اور دُعا کا ہے۔ اِسی طرح ہر ایک کام کی شرط ہے جب وہ کامل طور پر ادا ہو تو اُس سے فائدہ ہوا کرتا ہے۔ اگر کسی کو پیاس لگی ہو اور پانی اُس کے پاس بہت سا موجود ہو مگر وہ پیئے نہ تو فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ یا اگر اس میں سے ایک دو قطرے پیئے تو کیا ہوگا؟ پُوری مقدار پینے سے ہی فائدہ ہوگا۔ غرضیکہ ہر ایک کام کے واسطے خدا تعالےٰ نے ایک حد مقرر کی ہے، جب وہ اس حد پر پہنچتا ہے تو بابرکت ہوتا ہے اور جو کام اُس حد تک نہ پہنچیں وہ اچھے نہیں کہلاتے اور نہ ان میں برکت ہوتی ہے۔

عاجزی اختیار کرنی چاہیئے۔ عاجزی کا سیکھنا مشکل نہیں ہے، اس کا سیکھنا ہی کیا ہے۔ انسان

تو خود ہی عاجز ہے اور وہ عاجزی کے لئے ہی پیدا کیا گیا ہے۔ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۔ تکبر وغیرہ سب بناوٹی چیزیں ہیں۔ اگر وہ اس بناوٹ کو اُتار دے تو پھر اس کی فطرت میں عاجزی ہی نظر آوے گی۔ اگر تم لوگ چاہتے ہو کہ خیریت سے رہو اور تمہارے گھروں میں امن رہے تو مناسب ہے کہ دُعائیں بہت کرو اور اپنے گھروں کو دُعاؤں سے پُر کرو۔ جس گھر میں ہمیشہ دعا ہوتی ہے خدا تعالیٰ اُسے برباد نہیں کیا کرتا۔ لیکن جو سُستی میں زندگی بسر کرتا ہے اُسے آخر فرشتے بیدار کرتے ہیں۔ اگر تم ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھو گے تو یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ بہت پکا ہے، وہ کبھی تم سے ایسا سلوک نہ کرے گا جیسا کہ فاسق فاجر سے کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں کہ تم کو عذاب دلوے بشرطیکہ تم ایمان لاؤ اور شکر کرو۔ انسان کو عذاب ہمیشہ گناہ کے باعث ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اندر تبدیلی نہ کرے۔ جب تک انسان اپنے آپ کو صاف نہ کرے تب تک خدا تعالیٰ عذاب کو دُور نہیں کرتا۔

یہ دُنیا خود بخود نہیں ہے، اس کا ایک خالق ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے اُسی کی مرضی سے ہو رہا ہے۔ بغیر اس کی رضا کے ایک ذرہ حرکت نہیں کر سکتا۔ جو اللہ تعالیٰ سے ترساں رہے گا وہ خود محسوس کرے گا کہ اس میں ایک فرقان پیدا ہو گیا ہے مگر شرط یہ ہے کہ شیطانی سیرت کا انسان نہ ہو۔ تکالیف تو نبیوں پر بھی آتی ہیں مگر وہ عام لوگوں کی طرح نہیں بلکہ اُن کے لئے وہ باعثِ برکت ہوتی ہیں ــــ دغاباز آدمی کی نماز قبول نہیں ہوتی وہ اس کے مُنہ پر ماری جاتی ہے کیونکہ وہ دراصل نماز نہیں پڑھتا بلکہ خدا تعالیٰ کو رشوت دینا چاہتا ہے مگر خدا تعالیٰ کو اُس سے نفرت ہوتی ہے کیونکہ وہ رشوت کو پسند نہیں کرتا۔ نماز کوئی ایسی ویسی شے نہیں بلکہ یہ وہ شے ہے جس میں اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ الخ جیسی دُعا کی جاتی ہے۔ اِس دُعا میں بتلایا گیا ہے کہ جو لوگ بُرے کام کرتے ہیں اُن پر دُنیا میں خدا تعالیٰ کا غضب آتا ہے۔ الغرض اللہ تعالیٰ کو خوش کرنا چاہیئے جو کام ہوتا ہے اس کے ارادہ سے ہوتا ہے۔۔۔۔۔

دیکھو ان باتوں کو منتر جنتر نہ سمجھو اور یہ خیال نہ کرو کہ یونہی فائدہ ہو جاوے گا جیسے کہ بھوکے کے سامنے روٹیوں کا انبار فائدہ نہیں دیتا جب تک کہ وہ نہ کھاوے اسی طرح آج کے اقرار کے مطابق جب تک کوئی اپنے آپ کو گناہ سے نہ بچاوے گا اُسے برکت نہ ہوگی۔ **یاد رکھو کہ میں اِس بات پر شاہد ہُوں کہ مَیں نے تم کو سمجھا دیا ہے۔**

اب تم کو چاہیئے کہ بُرائیوں سے بچنے کے واسطے خدا تعالیٰ سے دُعا کرو تا کہ بچے رہو۔ جو شخص بہت دُعا کرتا

ہے اس کے واسطے آسمان سے توفیق نازل کی جاتی ہے کہ گناہ سے بچے۔ اور دُعا کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گناہ سے بچنے کے لئے کوئی نہ کوئی راہ اُسے مل جاتی ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا یعنی جو امور اُسے کشاں کشاں گناہ کی طرف لے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان امور سے بچنے کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ قرآن کو بہت پڑھنا چاہیئے اور پڑھنے کی توفیق خدا تعالیٰ سے طلب کرنی چاہیئے کیونکہ محنت کے سوا انسان کو کچھ نہیں ملتا۔ کسان کو دیکھو جب وہ زمین میں ہل چلاتا ہے اور قسم قسم کی محنت اُٹھاتا ہے تب پھل حاصل کرتا ہے مگر محنت کے لئے زمین کا اچھا ہونا شرط ہے۔ اسی طرح انسان کا دل بھی اچھا ہو، سامان بھی عمدہ ہو، سب کچھ کر بھی سکے تب جاکر فائدہ پاوے گا۔ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی۔ دل کا تعلق اللہ تعالیٰ سے مضبوط باندھنا چاہیئے۔ جب یہ ہوگا تو دل خود خدا سے ڈرتا رہے گا۔ اور جب دل ڈرتا رہتا ہے تو خدا تعالیٰ کو اپنے بندے پر خود رحم آجاتا ہے اور پھر تمام بلاؤں سے اُسے بچاتا ہے۔

گناہ سے بچو، نماز ادا کرو، دین کو دُنیا پر مقدّم رکھو۔ خدا تعالیٰ کا سچا غلام وہی ہوتا ہے جو دین کو دنیا پر مقدّم رکھتا ہے۔"

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ ۳۱۷ تا ۳۲۱)

بیعت میں کون داخل ہے؟

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :۔

"یقیناً یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک وہی مومن اور وہ بیعت میں داخل ہے جو دین کو دنیا پر مقدّم کرے جیسا کہ وہ بیعت کرتے وقت کہتا ہے۔ اگر دنیا کی اغراض کو مقدّم کرتا ہے تو وہ اس اقرار کو توڑتا ہے اور خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ مجرم ٹھہرتا ہے۔ یقیناً یاد رکھو جب تک انسان کی عملی حالت درست نہ ہو زبان کچھ چیز نہیں۔ یہ نری لاف گزاف ہے۔ زبان تک جو ایمان رہتا ہے اور دل میں داخل ہو کر اپنا اثر عملی حالت پر نہیں ڈالتا وہ منافق کا ایمان ہے۔ سچا ایمان وہی ہے جو دل میں داخل ہو اور اس کے اعمال کو اپنے اثر سے رنگین کر دے۔"

(ملفوظات جلد ہشتم ص۲۹۶)

منظوم عربی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

هَوِيْتُ الْحِبَّ حَتّٰى صَارَ رُوْحِيْ

(میں نے اس پیارے خدا سے محبت کی یہاں تک کہ وہ میری جان ہو گیا)

هَوِيْتُ الْحِبَّ حَتّٰى صَارَ رُوْحِيْ ۔۔۔ وَاَرْنَانِيْ جِنَانِيْ فِيْ جَنَانِيْ

میں نے اس پیارے (خدا) سے محبت کی یہاں تک کہ وہ میری جان ہو گیا اور میرا بہشت اس نے میرے دل میں ہی دکھا دیا۔

بِوَجْهِ الْحِبِّ لَسْتُ حَرِيْصَ مُلْكٍ ۔۔۔ كَفَانِيْ مَا اَرٰى نَفْسِيْ كَفَانِيْ

اس پیارے کی قسم ہے کہ میں کسی ملک کا حریص نہیں اور یہ میرے لئے کافی ہے کہ میں اپنے نفس کو فنا کی حالت میں دیکھتا ہوں

عَمُوْدُ الْخَشْبِ لَا اَبْغِيْ لِسَقْفِيْ ۔۔۔ وَحِبِّيْ صَارَ لِيْ مِثْلَ الْبَوَانِ

میں لکڑی کے ستون اپنی چھت کے لئے نہیں چاہتا۔ اور میرا پیارا میرے لئے ایسا ہو گیا ہے جیسا کہ ستون۔

وَرِثْنَا الْمَجْدَ مِنْ ذِي الْمَجْدِ حَقًّا ۔۔۔ وَصُبِّغْنَا بِمَحْبُوْبٍ مُقَانِيْ

ہم نے بزرگی کو خدائے ذوالمجد سے پایا۔ اور اس ملنے والے پیارے کے رنگ سے ہم رنگے گئے

دَخَلْتُ النَّارَ حَتّٰى صِرْتُ نَارًا ۔۔۔ وَنَخْلِيْ فَاقَ اَفْكَارَ الْاَفَانِيْ

میں آگ میں داخل ہوا یہاں تک کہ میں آگ ہی ہو گیا۔ اور میری کھجور گھاس پات کے فکروں سے بہت بلند بڑھ گئی

خُمُوْرِيْ مُنْتَقَاةٌ غَيْرُ كَدْرٍ ۔۔۔ مُشَعْشَعَةٌ بِمَاءِ الْاِقْتِرَانِ

میری شراب ایک چُنی ہوئی شراب ہے اور مصفا ہے جس میں الٰہی محبت کا پانی ملایا گیا ہے۔

وَلَسْتُ مُوَارِيًا عَنْ عَيْنِ رَبِّيْ ۔۔۔ وَاِنَّ اللّٰهَ خَلَّاقِيْ يَرَانِيْ

اور میں اپنے رب کی آنکھ سے پوشیدہ نہیں ہوں۔ اور خدا جو میرا پروردگار ہے مجھے دیکھ رہا ہے۔

(نور الحق حصہ اول صفحہ ۹۲، ۹۳)

منظوم فارسی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

خود دمد در فانیاں آں پاک ذات

(وہ پاک ذات خود اپنی ان صفات کو فانی فی اللہ لوگوں میں پھونک دیتا ہے)

آنکہ در عشقِ احد محو و فنا است ہر چہ زو آید ز ذاتِ کبریا است

جو خدا کے عشق میں محو اور اسی میں فانی ہے۔ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے وہ ذاتِ کبریائی کی طرف سے ہے

فانی است و تیرِ او تیرِ حق است صیدِ او در اصل نخجیرِ حق است

وہ فانی فی اللہ ہے اس لئے اس کا تیر خدا کا تیر ہے اور اس کا شکار در اصل خدا کا شکار ہے۔

آنچہ مے باشد خدا را از صفات خود دمد در فانیاں آں پاک ذات

جو خدا تعالیٰ کی اپنی صفات ہیں وہ پاک ذات خود اپنی ان صفات کو فانی فی اللہ لوگوں میں پھونک دیتا ہے

خوئے حق گردد در ایشاں آشکار از جمال و ز جلالِ کردگار

خدا کی صفات ان فانی فی اللہ لوگوں سے ظاہر ہونے لگتی ہے خواہ وہ جمالی صفات ہوں یا جلالی صفات

لطفِ شاں لطفِ خدا ہم قہرِ شاں قہرِ حق گردد نہ ہمچوں دیگراں

ان کا لطف خدا کا لطف اور ان کا قہر خدا کا قہر ہو جاتا ہے دوسروں کی طرح ان کا معاملہ نہیں رہتا

فانیاں ہستند از خود دور تر چوں ملائک کارکن از دادگر

ایسے فانی فی اللہ اپنی خودی سے بالکل دور ہوتے ہیں۔ وہ تو فرشتوں کی طرح خدا کے منصف کارندے ہوتے ہیں

فانی اند و آلۂ ربانی اند نورِ حق در جامۂ انسانی اند

وہ خدا میں فنا ہوتے ہیں اور اس کے ہتھیار بن جاتے ہیں۔ انسانی جامہ میں وہ خدا کا نور ہوتے ہیں۔

(براہین احمدیہ حصہ چہارم حاشیہ ص۵۲۲)

قرآن کریم اور قیام سلسلہ کی غرض

(سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے یکم جولائی ۱۹۶۶ء کو مسجد مبارک ربوہ میں خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا:-

"اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے متعلق یہ اعلان فرمایا ہے وَمَا تَسْئَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ (سورہ یوسف آیت ۱۰۴) کہ اے رسول! تو ان کو جو تبلیغ کر رہا ہے اور خدا تعالیٰ کا پیغام انہیں پہنچا رہا ہے، اس پر تو ان سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن کریم تمام جہانوں کے لئے شرف کا موجب ہے۔ اس آیت میں قرآن کریم کے متعلق یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالمین کے لئے رحمت ہیں (رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ) اسی طرح قرآن کریم تمام عالمین کے لئے ذکر ہے۔ ذِکْر عربی زبان میں مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس جگہ ذِکْر کے چار معنے چسپاں ہوتے ہیں۔

اس کے پہلے معنے اَلْكِتَابُ فِيْهِ تَفْصِيْلُ الدِّيْنِ وَوَضْعُ الْمِلَلِ ہیں۔ یعنی ایسی کتاب جس میں دین کی تفاصیل اور احکام شریعت کامل طور پر بیان کئے گئے ہیں۔ سو فرمایا کہ قرآن کریم ایک کامل کتاب شریعت ہے۔ کوئی شرعی حکم ایسا نہیں جو اس میں بیان ہونے سے رہ گیا ہو اور دین و مذہب کے متعلق جتنی بھی تفصیل انسان کے لئے ضروری ہے وہ ساری کی ساری اس کتاب میں بیان کر دی گئی ہے۔ پس اس کی اتباع اللہ تعالیٰ کی انتہائی خوشنودی کے حصول کا ذریعہ ہے۔

اس کے دوسرے معنے ہیں اَلشَّرَفُ بلند مرتبہ، رفعت اور بزرگی۔ تو فرمایا کہ جو احکام شریعت قرآن کریم میں بیان کئے گئے ہیں اگر تم ان کو سیکھو گے، سمجھو گے، اور ان پر عمل کرو گے تو اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ تمہیں بلند مرتبہ رفعت اور بزرگی عطا کرے گا اور اتباع قرآن کریم کے ذریعہ آسمانی (روحانی) رفعتوں کے وہ دروازے جو خدا تعالیٰ کے قرب کی راہوں کو ڈھونڈنے والوں کے لئے کھولے جاتے ہیں تم پر کھولے جائیں گے۔

اس کے تیسرے معنے اَلثَّنَاءُ کے ہیں یعنی تعریف اور حمد۔ تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تم اتباع

قرآن کے نتیجہ میں رُوحانی رفعتوں کو تم حاصل کر لوگے تو تمہیں تعریف اور ثناء بھی حاصل ہو جائے گی۔ اَلثَّنَآءُ کا لفظ جس قسم کی تعریف کے متعلق بولا جاتا ہے اس میں ایک لطیف اشارہ پایا جاتا ہے وہ یہ کہ کسی دوسرے کامل وجود کا ثانی بننا یعنی اس کے اخلاق کی اتباع کر کے اُس کا رنگ اختیار کرنے کی کوشش کرنا۔ پس اس میں توجہ دلائی گئی ہے کہ قرآن کریم نے جو تعلیم تمہارے سامنے رکھی ہے وہ یہی ہے کہ تم تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ حاصل کر سکو، اللہ تعالیٰ کے اخلاق کے مظہر بن سکو۔ اور جب تم اللہ تعالیٰ کے اخلاق کے مظہر بن جاؤ گے تو ہر صاحبِ عقل و بصیرت تمہاری تعریف، تمہاری ثناء اور تمہاری حمد کرنے پر مجبور ہو گا۔

اس کے چوتھے معنے اَلصِّیْتُ یعنی ذکرِ خیر کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ احکامِ قرآنی پر عمل کرنے کے نتیجہ میں جو بزرگی اور رفعت حاصل ہوتی ہے اور بندہ خدا تعالیٰ کی صفات کا مظہر بن جاتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک دُنیا ایسے لوگوں سے فائدہ حاصل کرتی ہے۔ صرف اُن کی اپنی نسل پر ہی نہیں بلکہ ایسے لوگوں کا احسان آئندہ آنے والی نسلوں پر بھی ہوتا ہے، اس کی وجہ سے اُن کا ذکرِ خیر باقی رہ جاتا ہے۔ کیونکہ ذکرِ خیر صرف اُسی شخص، گروہ یا سلسلہ کا قائم رکھا جاتا ہے (اور قائم رکھا جانا چاہیئے) کہ جس کا احسان آئندہ نسلوں پر ہو۔ اِس طرح آئندہ نسلیں اُس شخص، گروہ یا سلسلہ کو یاد رکھتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ پہلوں نے ہم پر بڑے احسان کئے ہیں اور ہمیں اِن احسانوں کو بھولنا نہیں چاہیئے۔ مثلاً ہم احادیث کے جمع کرنے والے بزرگوں کا ادب اور احترام اور دُعا کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ اُن کا ذکرِ خیر اسی وجہ سے قائم ہے کہ اُن لوگوں نے اپنی زندگیاں ہمارے فائدہ کے لئے صرف کر ڈالیں۔ ان لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو جمع کیا، اُن کی چھان بین کی اور انہیں ہم تک پہنچانے کا انتظام کیا۔ اِس احسان کے بدلہ میں ان کا ذکرِ خیر نسلاً بعد نسلٍ ہم تک چلا آیا ہے اور آئندہ بھی چلتا چلا جائے گا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا کہ قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے جو ہر لحاظ سے کامل و مکمل ہونے کے علاوہ یہ خوبی بھی اپنے اندر رکھتی ہے کہ جب کوئی اس پر عمل کرتا ہے تو وہ صرف اُسی نسل کو زیرِ بارِ احسان نہیں کر رہا ہوتا جس کا وہ ایک فرد ہوتا ہے بلکہ اس ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اُس سے نیکیوں اور خیر کے وہ کام لیتا ہے جس کے نتیجہ میں آئندہ نسلیں بھی اس کے احسان کے نیچے دبی ہوتی ہیں۔ وہ اُس کے اِس احسان کو پہچانتی ہیں اور اِس کی وجہ سے اُس کی شکرگزار ہوتی ہیں۔ اِس لحاظ سے یہ قرآن اُس کے لئے اَلصِّیْتُ ذکرِ خیر کے جاری رہنے کا موجب بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے متعلق بہت سی تعریفیں خود اس میں بیان فرمائی ہیں۔ اِس چھوٹی سی آیت میں بھی بہت کچھ بیان کیا گیا ہے جس کی طرف مَیں نے محض اشارے کئے ہیں لیکن اِن اشارات سے بھی ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اگر ہم اِس دُنیا میں عزّت اور شرف حاصل کرنا چاہتے ہیں، اگر ہمارے دل میں

یہ خواہش ہے کہ ایک طرف ہمارا رب ہم سے راضی ہو جائے اور دوسری طرف آئندہ نسلیں بھی ہمیں نیک نام سے یاد کریں ہمارے لئے دُعا کرنے والی ہوں اور خدا کے حضور گڑگڑانے والی ہوں کہ اے خدا اِن لوگوں پر اپنی زیادہ سے زیادہ رحمتیں نازل کرتا چلا جا " تو ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم قرآن کریم کو سیکھیں جانیں اور اس کی اتباع کریں اور اُس کو ہر وقت اپنے سامنے رکھیں۔ اسی لئے مَیں نے قرآن کریم سیکھنے سکھانے کی طرف جماعت کو توجہ دلائی تھی۔

خلیفۂ وقت کا سب سے بڑا اور اہم کام یہی ہوتا ہے کہ وہ قرآن کریم کی تعلیم کو رائج کرنے والا ہو اور نگرانی کرنے والا ہو کہ وہ لوگ جو سلسلۂ حقہ کی طرف منسوب ہونے والے ہیں کیا وہ قرآن کریم کا جوا اپنی گردنوں پر رکھنے والے ہیں اور اس سے مُنہ پھیرنے والے نہیں بلکہ اس کی پوری پوری اطاعت کرنیوالے ہیں؟ میری اِس تحریک پر جماعتوں نے توجہ دی۔ بہت سی جماعتوں کی طرف سے تو بہت اچھی رپورٹیں مل رہی ہیں لیکن بعض جماعتیں ابھی ایسی بھی ہیں جہاں ابھی تک یہ کام شروع نہیں ہوا اور بعض جماعتوں کے متعلق یہ اطلاع بھی ملی ہے کہ کام شروع ہونے کے بعد پھر سُستی کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں۔

مَیں پھر تمام جماعتوں کو، تمام عہدیداران خصوصاً امراءِ اضلاع کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ قرآن کریم کا سیکھنا، جاننا، اس کے علوم کو حاصل کرنا اور اس کی باریکیوں پر اطلاع پانا اور ان راہوں سے آگاہی حاصل کرنا جو قُربِ الٰہی کی خاطر قرآن کریم نے ہمارے لئے کھولی ہیں از بس ضروری ہے۔ اس کے بغیر ہم وہ کام ہرگز سرانجام نہیں دے سکتے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اِس سلسلہ کو قائم کیا ہے۔ پس مَیں آپ کو ایک دفعہ پھر آگاہ کرتا ہوں اور متنبہ کرتا ہوں کہ آپ اپنے اصل مقصد کی طرف متوجہ ہوں اور اپنی انتہائی کوشش کریں کہ جماعت کا ایک فرد بھی ایسا نہ رہے، نہ بڑا نہ چھوٹا، نہ مرد نہ عورت، نہ جوان نہ بچہ کہ جسے قرآن کریم ناظرہ پڑھنا نہ آتا ہو، جس نے اپنے ظرف کے مطابق قرآن کریم کے معارف حاصل کرنے کی کوشش نہ کی ہو۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی ذمہ داریاں سمجھنے کی اور پھر انہیں نبھانے کی توفیق دے اور مجھے بھی توفیق دے کہ جب تک آپ اس بنیادی مقصد کو حاصل نہیں کر لیتے اُس رنگ میں آپ کی نگرانی کرتا رہوں جس رنگ میں نگرانی کرنے کی ذمہ داری مجھ پر عاید کی گئی ہے ـــــ وَمَا تَوْفِيْقُنَا اِلَّا بِاللّٰهِ "

(الفضل ۲۷ جولائی ۱۹۶۶ء)

آخری زمانہ میں مثالی اسلامی معاشرہ کے قیام کی پیشگوئی

دُنیا میں اس معاشرہ کو قائم کرنیوالوں کی بعض نمایاں خصوصیات

(مکرّم پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب ایم۔اے)

اللہ تعالیٰ دنیا میں ایک مثالی اسلامی معاشرہ کے قیام، اس کی بنیادی علامات اور اس معاشرہ کو قائم کرنے والوں کی بعض نمایاں خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے :-

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا
الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ص
وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝
وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ
لِلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ
وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝
وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ
وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ
الْاَرْضُ لا اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝
الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ
وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ
وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللّٰهُ
يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ
اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا
اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ
فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ

اے ایمان والو! تم (اپنے مال پر) سُود مت کھاؤ جو (مال کو) بے انتہا طور پر بڑھا دیتا ہے اور (ہر مشکل سے بچنے کے لئے) اللہ ہی کو پناہ بناؤ تا تم (دین و دُنیا کی) کامیابی کی منزل پر پہنچ جاؤ (اگر ایسا نہ کرو) تو پھر اُس آگ سے ڈرو جو منکروں کے لئے تیار کی گئی ہے اور اللہ اور (اس کے) رسول کی اطاعت کرو تا تم پر اللہ کا رحم نازل ہو۔ اور اپنے رب کی طرف سے (نازل ہونے والی) بخشش کی طرف اور اُس جنت کی طرف بڑھو جس کی چوڑائی آسمان اور زمین ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ ہی کو اپنی ڈھال بنانیوالوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ یعنی ایسے لوگ (جو اللہ کی رضا کے حصول کی خاطر) خوشحالی میں (بھی) اور تنگدستی میں (بھی) خرچ کرتے ہیں اور (مخالفوں کے سب و شتم اور طعنوں کو سُن کر) اپنے غصہ کو دبانے والے بلکہ لوگوں کو دل سے بھی معاف

يَغْفِرُ الذُّنُوبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلٰى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ○ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ○

(آل عمران آیات ۱۳۱ تا ۱۳۷)

کر دینے والے یعنی گالیاں سن کر دعائیں دینے والے ہیں ۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے ہی محسنوں سے محبت کرتا ہے ۔ ہاں (اُن لوگوں کے لئے) جو کوئی بُرا کام کرنے کی صورت میں یا اپنی جانوں پر ظلم کرنے کی صورت میں اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے قصوروں کی معافی چاہتے ہیں اور اللہ کے سوا قصوروں اور کمزوریوں کو بھلا ڈھانپ بھی کون سکتا ہے ۔ اور ایسے لوگ جو اپنے غلط کاموں پر جان بوجھ کر ضد نہیں کرتے ۔ یہ لوگ ایسے ہیں کہ اُن کی جزا اُن کے رب کی طرف سے (نازل ہونے والی ہے) مغفرت اور ایسے باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ اُن میں بستے چلے جائیں گے ۔ اور (اللہ کی خاطر) کام کرنے والوں کا (یہ) کیا ہی اچھا بدلہ ہے ۔

یہ آیات جنگِ اُحد کے ذکر کے ساتھ آئی ہیں ۔ جنگوں میں سُود لینا ضروری ہوتا ہے اس کے بغیر لمبی جنگیں نہیں لڑی جا سکتیں ۔ کفار ایسا ہی کرتے تھے ۔ مگر سُود ایک ایسی لعنت ہے اور اس کی مضرت اس قدر شدید ہے کہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ باوجود شدید جنگی ضرورت کے بھی تم نے سُود نہیں لینا سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر مسلمان جنگوں کے اخراجات کا کیا انتظام کریں ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام میں مصیبت اور ہنگامی حالات میں طوعی قربانیوں پر زور دیا گیا ہے اور مسلمانوں نے ایسا ہی کر کے دکھایا اور بعض شدید اور کڑی آزمائشوں کے موقعہ پر اپنا سب کچھ خدا اور رسولؐ کے قدموں پر رکھ دیا ۔ اسی لئے حکم دیا کہ تم بھی خدا کی راہ میں اموال کو خرچ کرو ۔ یہ احکام نہایت درجہ اہمیت کے حامل ہیں کیونکہ ان احکام پر عمل پیرا ہونے کے ساتھ ہی دنیا میں مثالی اسلامی معاشرہ کا قیام وابستہ ہے ۔

قرآن کریم کے کئی بطن ہیں ۔ ایک معنیٰ ان آیات کے اسلام کے دَورِ اوّل کو مدّ نظر رکھ کر کئے جا سکتے ہیں لیکن اس وقت میں ان آیات کے معنی اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے دَور کو مدّ نظر رکھ کر کرتا ہوں ۔ ان معنوں کی رُو سے آخری زمانہ میں بھی ایک مثالی اسلامی معاشرہ کے قیام کی خبر دی گئی ہے اور اس کی نمایاں علامات واضح کرنے کے علاوہ اس معاشرہ کو دُنیا میں قائم کرنے والوں کی بعض نمایاں خصوصیات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے ۔

اس زمانے میں جو کہ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا زمانہ ہے ، ہم دیکھتے ہیں کہ دُنیا گزشتہ جنگوں سے

اثرات اور آئندہ ہونے والی جنگوں کے خوف سے سخت مضطرب اور بے چین ہے اور ہلاکت کے گڑھے پر کھڑی ہے۔

دُنیا کے دانشور قیامِ امن کی خاطر مختلف سکیمیں سوچتے ہیں جو ناکام ہو جاتی ہیں اور حالات بد سے بدتر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ اِن دانشوروں اور فلاسفروں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ اے دنیا کے دانشورو! جو اپنے زعم میں اپنے خیالات اور فلسفوں کے ذریعہ سے دُنیا کو امن کا پیغام دے چکے ہو (عربی میں اٰمن کے معنی امن دینے کے بھی ہوتے ہیں) تم ہرگز دنیا میں اپنے فلسفوں سے امن قائم نہیں کر سکتے۔ کیونکہ تم دُنیا کے مصائب کی اصل جڑ کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ وہ جڑ مادیت کی دَوڑ اور مادی سامانوں کی فراوانی کے حصول میں افراد اور قوموں کا آپس میں سر توڑ مقابلہ ہے۔ اور اِس مادی تہذیب کی بنیاد سُودی نظام پر ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض افراد یا اقوام دوسرے افراد یا اقوام کو اقتصادی طور تباہ کر کے اپنے اموال کو بے انتہا طور پر بڑھاتی چلی جائیں۔

کوئی اعتراض کر سکتا ہے کہ ان دانشوروں میں کمیونسٹ ملکوں کے فلاسفر کیسے شامل ہو سکتے ہیں جبکہ کمیونزم سُود کی قائل ہی نہیں؟ تو اِس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ کمیونزم دنیا کے سرمایہ دارانہ سُودی نظام کا ردِ عمل اور Reaction یعنی اس کا ایک نتیجہ ہے لہذا یہ نظام بھی اُسی مادی تہذیب کا ایک حصہ ہی تصوّر کیا جائے گا۔ سرمایہ دار ملکوں میں کئی سرمایہ دار اپنے ملک کے غریب عوام یا دنیا کے دوسرے ملکوں کے عوام کا خون چوستے ہیں تو کمیونزم ایک ملک کی حکومت کے اندر اُس کے تمام سرمایہ داروں کو لوٹ کاٹ کر جمع کر دیتی ہے اور حکومت اِن ممالک میں ایک بہت بڑی سرمایہ دار ہے جس کی قوت و جبروت کے سامنے کوئی دم نہیں مار سکتا۔ کمیونزم بھی دنیا کے دوسرے ممالک کو زیرِ نگیں کرنے کی فکر میں ہے اور وہ دنیا کے امن کے لئے اُسی طرح خطرہ ہے جس طرح کہ سرمایہ دار ملکوں کی حکومتیں اور ان کے امراء۔

اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً کی تشریح بھی ضروری ہے۔ اِس کا یہ مطلب نہیں کہ صرف ایسا سُود نہ کھاؤ جو سُود در سُود کا رنگ رکھتا ہو یا اصل زر کو کئی گنا بڑھاتا ہو بلکہ اِن الفاظ میں سُود کی وجہِ حرمت بیان کی گئی ہے کہ سُود اِس وجہ سے حرام ہے کہ اس کی وجہ سے (خواہ سود بنکوں کی معمولی شرح والا ہی کیوں نہ ہو) اموال بے انتہا طور پر بڑھتے چلے جاتے ہیں اور یہی موجودہ دنیا کا تجربہ ہے۔

نیز فرمایا اِتَّقُوا النَّارَ ایک مخصوص آگ سے ڈرو۔ نئے بطن کے لحاظ سے یہاں عالمگیر جنگوں کی آگ مراد ہے۔ یعنی اگر تم مادیت کی دَوڑ کو ترک نہیں کرو گے۔ اور سُودی نظام یا اُس کے

ردِّ عمل والے نظام کو لیکر ہی دنیا کو امن کا پیغام دو گے تو تمہارے لئے ناکامی مقدر ہے، تمہیں پے درپے عالمگیر جنگوں کی آگ ہی جلنا پڑے گا اور آخر وہ دن بھی تمہیں دیکھنا پڑے گا جس کے متعلق تمہارے زمانے میں ظاہر ہونے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرزند جلیل یہ اعلان کرے گا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ :-

"دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اُسے قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں کے ذریعہ سے اس کی صداقت کو ظاہر کردے گا"

(تذکرہ طبع ثانی صفحہ ۱۹۰)

پھر فرمایا :-

"چمک دکھلاؤں گا تم کو اس نشاں کی پنج بار۔
اگر چاہوں تو اس دن خاتمہ" (تذکرہ طبع ثانی صفحہ ۵۹۶)

اس موقعہ پر دنیا کے دانشور سوال کرتے ہیں کہ اچھا اگر ہمارا فلسفہ ناکام و نامراد ہے تو ہم کریں کیا؟ کیا دنیا میں قیام امن کا آخر کوئی بھی ذریعہ ہے یا کہ نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے :-

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ (آل عمران آیت مندرجہ بالا)

یعنی اے آخری زمانے کے فلاسفرو! اور اے عوام الناس! تمہارے سامنے ایک شخص اُٹھ کر یہ نداء دے گا کہ ؎

دَوڑ کر میری طرف آؤ اِسی میں خیر ہے ÷ ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار
آگ ہے پر آگ سے وہ سب بچائے جائیں گے ÷ وہ جو رکھتے ہیں خدائے ذوالعجائب سے پیار

اے لوگو! اگر واقعی تم اپنے آپ کو، اپنے اہل و عیال کو، اپنی قوم کو، بلکہ ساری کی ساری دکھیا انسانیت کو امن دینا چاہتے ہو تو اس جماعت میں شامل ہو جاؤ جس کے بانی کی بعثت کا صرف اور صرف یہ مقصد ہے کہ :-

"یُحْیِ الدِّیْنَ وَیُقِیْمُ الشَّرِیْعَةَ" (الہام حضرت مسیح موعودؑ۔ تذکرہ طبع ثانی صفحہ ۵۵)

کہ وہ خدا کے دین کو از سرِ نو زندہ کر دے اور شریعتِ حقہ کو دنیا میں قائم کر دے اور خدا کی بادشاہت شرعی قانون کے رنگ میں بھی اُسی طرح زمین پر قائم ہو جائے جس طرح وہ آسمانوں پر ہے ۔

پس اے لوگو اگر تم اللہ تعالیٰ کے اس عذاب سے بچنا چاہتے ہو جو تمہارے سروں پر منڈلا رہا ہے اور چاہتے ہو کہ خدا رحم کے ساتھ تم پر رجوع کرے تو ایک ہی صورت ہے کہ اللہ کی اطاعت اور اُس

کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا جُوا اپنی گردنوں پر رکھ لو۔
یہ عجیب لطیف نکتہ ہے کہ آیتِ استخلاف کے آخر میں بھی اسی قسم کے الفاظ آتے ہیں کہ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ۔ اس میں یہ پیشگوئی مضمر ہے کہ آخری زمانے میں دُنیا میں حقیقی امن تبھی قائم ہوگا جب ساری کی ساری دُنیا خلافتِ راشدہ حقہ اسلامیہ کے ٹھنڈے سائے کے تلے پناہ لے گی۔
اب اللہ تعالیٰ مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ قائم ہونے والے نظام کا نقشہ کھینچتا ہے۔ اسی نظام کو الہام میں "ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان" کے الفاظ سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔ فرماتا ہے کہ جماعتِ احمدیہ کے ذریعہ دنیا میں ایک ایسا نظام قائم کیا جائے گا جس میں دُکھیا انسانیت کے تمام زخموں پر مرہم رکھی جائے گی (مَغْفِرَۃٍ)۔ اللہ تعالیٰ تمام انسانی کمزوریوں کو اپنی رحمت و فضل کی چادر سے ڈھانپ دے گا۔ دُنیا کے تمام مصائبِ ارضی و سماوی کا خاتمہ ہو جائیگا۔ خدائے غفور کی مغفرت کا نظارہ عام ہوگا۔

پھر فرمایا وَجَنَّۃٍ عَرْضُھَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ایک ایسا مثالی معاشرہ دنیا میں قائم ہوگا جو اس جلتی ہوئی زمین کو ایک جنتِ ارضی میں تبدیل کر دے گا جس میں جسمانی اور رُوحانی دُکھوں کے خاتمہ کے علاوہ ہر قسم کی جسمانی اور رُوحانی نعماء اور راحتیں بھی جمع ہوں گی۔ لیکن رضاءِ الٰہی کی یہ جنتِ ارضی جس کے ذریعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام ؎

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّھَا (تذکرہ طبع ثانی صہ۸۰۲)

کے مطابق زمین اپنے رب کے نور سے چمک اُٹھے گی یہ جنتِ ارضی اُخروی عالم میں رُوحانی رفعتوں کے دَور میں بھی تمہارے ساتھ چلتی چلی جائے گی۔ گویا اس ارضی دَور میں نعماء کی بڑی سے بڑی کثرت اس جنت کی صرف چوڑائی کہلا سکے گی لیکن اس کے طول کا کوئی اندازہ نہیں۔ وہ لا متناہی ہے۔ وہ اَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ اور عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ کی صورت میں ہمیشہ ہمیش کے لئے تمہارے ساتھ چلتی چلی جائے گی۔ ایسی جنت جس کی چوڑائی میں اس دنیوی دَور میں تمام ارضی و سماوی یعنی جسمانی و رُوحانی نعماء سما جائیں گی لیکن اس کی لمبائی لامتناہی ہوگی۔
عَرْض کے معنی قیمت کے بھی ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے معنی یہ ہیں کہ ایسی جنت کی طرف بڑھو جس کی قیمت آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ احمدیت کے ذریعہ یہ ارضی و سماوی جنت تمام خوشحالیوں اور خوشیوں کو قربان کرکے، خدا کی راہ میں ایک موت قبول کرکے اور تمام ارضی و سماوی

ابتلاؤں میں صبر کا نمونہ دکھلانے کے بعد ہی تمہیں ملے گی۔
عَرْض کے معنی سامان کے بھی ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے معنی یہ ہوں گے کہ احمدیت کے ذریعہ جو جنت دُنیا میں قائم ہو گی وہ بالآخر تمام ارضی و سماوی نعماء کو اپنے دامن میں سمیٹ لے گی انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہو گی خواہ وہ زمین سے تعلق رکھتے ہوں یا آسمان سے دین و دُنیا کی کوئی نعمت ایسی نہ ہو گی جس سے انسانیت کا کوئی طبقہ بھی محروم ہو۔
اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ جنتِ ارضی یعنی مثالی اسلامی معاشرہ کن لوگوں کے ذریعہ قائم کیا جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ۔ تقویٰ شعار لوگوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے ہاں چھوٹی سے چھوٹی ناراضگی سے بھی بچنے کی کوشش کرنے والوں اور اللہ ہی پر توکل کرنے اور اُسی کو اپنی پناہ بنانے والوں کے ذریعہ سے ہی یہ جنتِ ارضی و سماوی قائم کی جاویگی۔ اب اگلی آیت میں تقویٰ شعار لوگوں یعنی المتقین کی مزید خصوصیات بیان کی گئی ہیں :-
(الف) یُنْفِقُوْنَ . . . . یعنی جان و مال اور وقت کی قربانیاں۔ ہر حالت رنج و خوشی اور عُسر و یُسر میں دینے والے۔ امراء تو قربانی کریں گے تو غرباء بھی اُن سے کم نہیں رہیں گے۔ شاید غرباء نسبتاً امراء سے کہیں بڑھ کر قربانی کر رہے ہوں گے۔

(ب) وَالْکَاظِمِیْنَ . . . . . دنیا سب و شتم اور لعن طعن سے پیش آئے گی۔ دنیادار انہیں ہر قسم کی ایذا دیں گے اور دُکھ پہنچائیں گے، اُن کے پیشوا کو گالیاں دی جائیں گی مگر وہ اپنے مقتدا کی اس نصیحت پر عمل پیرا ہوں گے ؎

گالیاں سُن کے دُعا دو پاکے دُکھ آرام دو
کبر کی عادت جو دیکھو تم دکھاؤ انکسار

(ج) الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ - آخر وہ وقت آجائے گا کہ اللہ تعالیٰ اسی دُنیا میں انہیں غالب کرے گا لیکن اُس وقت وہ ان تمام مخالفین کو معاف کر دیں گے جیسا کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزندِ جلیل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وحی میں بیان ہے کہ:-

"اَللّٰہُ یُعْلِیْنَا وَلَا نُعْلیٰ۔" (تذکرہ طبع ثانی صفحہ ۶۰۵)

اللہ ہمیں ہی سربلند کریگا اور ہم کبھی مغلوب نہ ہوں گے۔

پھر وحی الٰہی میں فرمایا گیا ہے کہ:-
یَخِرُّوْنَ عَلَی الْمَسَاجِدِ - یَخِرُّوْنَ عَلَی الْاَذْقَانِ - رَبَّنَا

اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ۔ تَاللّٰهِ لَقَدْ آثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَإِنْ كُنَّا لَخَاطِئِينَ۔ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ۔" (تذکرہ طبع ثانی ص۶۲۹)

یعنی حقیقی اسلام کے مخالفین پر ایک وقت آئے گا کہ اپنی سجدہ گاہوں میں گریں گے اور اپنی ٹھوڑیوں کے بل گریں گے۔ اے ہمارے رب ہمارے گناہوں کو بخش دے یقیناً ہم خطا کار تھے (پھر تم سے معافی طلب کریں گے یہ کہتے ہوئے کہ اسے خدا کے مسیح) خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے تجھے ہم پر فضیلت بخش دی ہے اور ہم ہی خطا کار تھے کہ تیری جماعت کو دُکھ دیتے تھے۔ (تب انہیں کہا جائے گا کہ) آج کے دن تمہیں کوئی ملامت و سرزنش نہیں۔ اللہ بھی اب تمہیں بخش ہی دے گا کیونکہ وہ ارحم الراحمین ہے۔

(۵) چوتھی خصوصیت یہ بیان کی کہ جب یہ بے کس اور غریب جماعت دُنیا پر غالب آئیگی تو یہ لوگ نہ صرف اپنے ایذا رسانوں کو معاف کر دیں گے بلکہ وہ تمام بنی نوع انسان کے لئے مجسّم احسان بن جائیں گے۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ اور اللہ ایسے محسنوں کو یقیناً اپنی محبت کا مورد بنائے گا۔

آخر میں اللہ تعالیٰ خدائے قادر و توانا ذوالمجد والعطاء سے عاجزانہ طور پر دعا ہے کہ وہ ہمیں ان تمام صفات کا حامل بناوے جن کا ان آیات میں تذکرہ کیا گیا ہے۔ سچا تقویٰ شعار بنائے ہر مصیبت اور دُکھ میں ہم اللہ ہی کو اپنی پناہ بناویں۔ مخالفین خواہ کتنا ہی دُکھ دیں اور شور و فغاں میں بڑھتے جائیں ہم اپنے آقا کے اِس شعر کا مصداق بنتے جائیں کہ ؎

عدو جب بڑھ گیا شور و فغاں میں ✦ نہاں ہم ہو گئے یارِ نہاں میں

اور یہی حقیقت و معراج تقویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اِس کا مصداق بناوے اور ہمارے ذریعہ سے دنیا کے سب دکھ دور ہو جائیں اور بنی نوع انسان مغفرتِ الٰہی کی عظیم چادر کے نیچے آجائیں۔ خدا کرے کہ ہمارے ذریعہ سے اِسی دُنیا میں وہ جنّتی معاشرہ قائم ہو جائے جس کے متعلق اِن آیات میں فرمایا گیا ہے کہ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ۔ آمین ثم آمین و برحمتك یا ارحم الراحمین۔

وآخر دعوٰنا ان الحمد لله رب العٰلمین ✦

سورۃ احزاب اور مقامِ محمدؐ

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝

(احزاب آیت ۵۵)

(مکرم مولانا غلام باری صاحب سیف ربوہ)

سورۃ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارفع و اعلیٰ مقام کا ذکر فرمایا۔

- اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے اس مقام کا ذکر فرمایا جو انبیاء علیہم السلام میں سے صرف اور صرف آپؐ کے لئے مخصوص تھا یعنی مقامِ خاتم النبیین۔
- اس سورۃ میں آپؐ کو شاھد، داعی الی اللہ اور سراج منیر یعنی روشن چراغ کا لقب عطا فرمایا۔

- اس سورۃ میں آپؐ کو اس امانت کا حامل قرار دیا جس کے اُٹھانے سے زمین و آسمان قاصر رہے تھے۔ فرمایا اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۝
- اس سورۃ میں آپؐ کو مومنوں کے لئے "اُسوہ حسنہ" قرار دیا۔
- اس سورۃ میں مومنوں کو آپؐ کے مقام کے آداب بتلائے مثلاً یہ کہ جب حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کوئی فیصلہ فرمائیں تو اس کے سامنے بلاچون وچرا سرِ تسلیم خم کر دینا چاہیئے ورنہ سلب ایمان کا موجب ہوگا۔ فرمایا وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۝
- اس سورۃ میں تنبیہ کی کہ خدا کے رسول کو دُکھ دینا خدا سے صرف دُوری کا موجب ہی نہیں ہوگا بلکہ اُس کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہوگا۔ فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝

● اِس سورۃ میں بتایا کہ ہمارے رسولؐ سے وہ سلوک نہ کرنا جو موسیٰؑ سے اُس کی قوم نے کیا۔ فرمایا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ۝ اور تاریخ گواہ ہے، بدر کا میدان اور اُحد پہاڑ گواہ ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم نے اللہ تعالیٰ کے اِس حکم کی وجہ سے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی جانیں نچھاور کر دیں۔ انہوں نے تاریخ کے صفحات پر وفا کے وہ کارنامے ثبت کئے کہ خدائے ذوالعرش نے فرمایا مِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ۔ انہوں نے خطرات کی گھمبیر فضاؤں میں بآوازِ بلند کہا ہم موسیٰؑ کی قوم کی طرح نہیں کریں گے۔

● اِس سورۃ میں فرمایا کہ نبی کی ازواجِ مطہرات تمہاری مائیں ہیں۔ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ۔

الغرض اِس سورۃ میں حضورؐ کا منصب اور آپؐ کا ارفع مقام بیان فرمانے کے بعد مومنوں کو اس مقام کے تقاضوں کی طرف توجہ دلائی نیز فرمایا اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ کہ اِس رسول کا ملاءِ اعلیٰ میں یہ مقام ہے کہ عرش کا خدا اِس حبیبِ کبریا پر رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ اور اس کے فرشتے اللہ تعالیٰ کی اِس تقدیر سے موافقت کرتے ہوئے اس حکم کو بجا لا رہے ہیں۔ اے ملاءِ ادنیٰ کے رہنے والو! تم بھی خدا سے دُعا کرو کہ وہ اِس خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمتیں اور سلامتی نازل فرمائے۔

مفسّرین نے اِس آیت کی تفسیر میں اللہ کی صلوٰۃ، ملائکہ کی صلوٰۃ اور مومنین کی صلوٰۃ کی تشریح کی ہے۔ چنانچہ اقرب الموارد میں لکھا ہے:۔

اَلصَّلٰوةُ مِنَ اللّٰهِ الرَّحْمَةُ وَمِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ الْاِسْتِغْفَارُ وَمِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ الدُّعَاءُ۔

کہ اللہ کی صلوٰۃ رحمت بھیجنا ہے اور ملائکہ کی صلوٰۃ مغفرت طلب کرنا اور مومنوں کی صلوٰۃ دُعا کرنا ہے۔

مومنوں کی صلوٰۃ کے معنوں میں امام راغبؒ نے ان کی تائید کی ہے۔ امام ترمذیؒ اور سفیان ثوریؒ نے بھی یہی معنے کئے ہیں۔

امام بیضاویؒ نے کہا کہ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ کے معنے ہیں يَعْتَنُوْنَ بِاِظْهَارِ شَرَفِهٖ وَ

وَتَعْظِیْمِ شَاْنِہٖ کہ حضورؐ کے شرف اور عظمتِ شان کا اظہار کیا جائے، آپؐ کے احکام کی بجاآوری کی جائے۔ کشاف نے یہ معنے کئے ہیں اَلصَّلوٰۃُ عَلَی الرَّسُوْلِ وَالسَّلَامُ مَعْنَاہُ بِاَنْ یَّتَرَحَّمَ عَلَیْہِ اللّٰہُ وَ یُسَلِّمَ کہ حضورؐ پر صلوٰۃ کے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے آپؐ پر رحم نازل فرمانے کی دعا کی جائے۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اللہ کی صلوٰۃ سے مراد ملائکہ میں حضورؐ کی ثناء لی ہے۔ اور یہ معنے بھی درست ہیں۔ اس کی تائید حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس شعر سے ہوتی ہے۔ فرمایا ؎

اگر خواہی کہ حق گوید ثنایت ٭ بشو از دل ثنا خوانِ محمدؐ

امام بخاریؒ نے تو یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء کرتا ہے۔ عاشقِ رسول مسیح محمدی علیہ السلام نے فرمایا۔ خدا اس کی بھی ثناء کرے گا جو اس کے حبیب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء کرے گا۔

فرشتوں کی صلوٰۃ سے مراد ابن عباسؓ نے برکت نازل کرنا لیا ہے۔ اور ابن عباسؓ وہ بزرگ صحابی ہیں جن کے متعلق رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اَللّٰھُمَّ فَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ۔ اے اللہ! انہیں دین میں تفقہ عطا کر۔

امام رازیؒ کہ جنہیں قرآن کا علم دیا گیا تھا، جن کی تفسیر کے نام پر حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تفسیر کا نام رکھا۔ انہوں نے صلوٰۃ کی تشریح کرنے کے بعد کئی بحثیں اٹھائی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:-

۱۔ صَلَّی اللّٰہُ کے معنے دعا کرنے کے نہیں کہ دعا تو کسی سے کچھ طلب کرنے کا نام ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بالا ہے کہ کسی سے کچھ طلب کرے۔

۲۔ اس آیت کی رو سے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی آئے تو سننے والے پر صلوٰۃ واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔

۳۔ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمتیں بھیجتے ہیں تو پھر مومنوں کی صلوٰۃ کی کیا حاجت؟ امام صاحب نے اس کا جواب یہ دیا ہے۔ لِاِظْھَارِ تَعْظِیْمِہٖ مِنَّا شَفْقَۃً عَلَیْنَا لِھٰذَا قِیْلَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ مَرَّۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا۔ کہ ہمارا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعا کرنا اور آپ کی عظمت کا اظہار کرنا خود ہماری جانوں پر شفقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا رسول فرماتا ہے جو میرے لئے ایک دفعہ رحمت طلب کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمت نازل کرے گا۔

۴۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس کے بالمقابل اپنے نبی کو بھی کہا ہے صَلِّ عَلَیْھِمْ اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّھُمْ۔ کہ اے رسول! اے مجسم شفیق! تو بھی ان کے لئے خدا سے رحمت مانگ کہ تیری دعا ان کے لئے موجب سکینت ہے۔

حق یہ ہے کہ خدا کے اس برگزیدہ رسولؐ کے مقام کو سمجھنے سے عقلیں قاصر ہیں۔ وہ جو کَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی کا مصداق، وہ جس کی رُوحانی پروازیں جبرائیل امین بھی ہمسری نہ کر سکا اس کے مقام کو کیسے سمجھیں۔ ماموِرِ زمانہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا کا فیضان جو اس زمانہ میں میرے وجود کے ذریعہ ظاہر ہوا یہ محمد مصطفٰےؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے سمندر کا ایک قطرہ ہے۔

وہ رحیم اور رؤف آقا جن کے متعلق خدا تعالیٰ کی شہادت ہے۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ، عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ، حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُفٌ رَّحِیْمٌ جس نے دُنیا کو انسانیت کا درس دیا، جس نے اخلاق کو کامل کیا، جس نے خدا کے فضلوں کے نزول کیلئے اُس کے حضور کھڑے ہو ہو کر پاؤں متورم کر لئے، جس کی بنی نوع انسان کی ہمدردی کا ذکر فرماتے ہوئے منزلِ کتاب فرماتا ہے فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ، حضرت عیسٰے علیہ السلام اور ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعائیں اِنْ تُعَذِّبْھُمْ فَاِنَّھُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَھُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ (مائدہ) وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (ابراہیم آیت ۳۷) دُہراتے وقت جس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور ہاتھ آسمان کی طرف بلند تھے اور زبان پر یہ جاری تھا۔ رَبِّ اُمَّتِیْ رَبِّ اُمَّتِیْ۔ اسے پروردگار میری اُمت پر رحم کرنا، اے خالق جہاں میری اُمت کی نگہداشت فرمائیو، تیرے فضلوں سے یہ حصّہ وافر پائیں۔ اُن شفقتوں کو ایک پہچاننے والے نے درست فرمایا تھا ؎

آں ترحّمہا کہ خلق از وے بدید ٭ کس ندیدہ در جہاں از مادرے
(مسیح موعودؑ)

اُسؐ کے احسانوں کا ادنیٰ تقاضا یہ ہے کہ ہماری دُعائیں اُسؐ کے لئے وقف رہیں، ہمارے دل خدا کے سامنے جُھک کر اُس کے لئے رحمتیں اور برکتیں طلب کریں۔ دیکھئے کس ذوق سے ایک عاشقِ صادق یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام، حضورؐ پر درود بھیجتا ہے۔ فرماتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلَیْہِ بِعَدَدِ ھَمِّہٖ وَغَمِّہٖ وَحُزْنِہٖ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ وَاَنْزِلْ عَلَیْہِ اَنْوَارَ رَحْمَتِکَ اِلَی الْاَبَدِ۔

اے اللہ! رحمتیں اور سلامتی نازل فرما اور برکتوں کا نزول اُس نسبت سے اُس پر فرما کہ جس قدر اُسؐ نے اس اُمت کے لئے مصائب اور غم اُٹھائے اور ابدالآباد تک اسؐ پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔"

اور آپ نے ایک شعر میں فرماتے ہیں ؎

یَا رَبِّ صَلِّ عَلٰی نَبِیِّکَ دَائِمًا ؛ فِیْ ھٰذِہِ الدُّنْیَا وَبَعْثٍ ثَانٖی

اے پروردگار! اپنے پیغمبرؐ پر رحمتیں نازل فرما، اس دنیا میں بھی اور اگلے جہان میں بھی۔ یعنی اس مہبطِ انوار پر ہر لحظہ تیری رحمتوں کا نزول ہوتا رہے۔"

خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حق فرمایا تھا کہ جو میرے لئے ایک دفعہ رحمت طلب کرے گا خالقِ کائنات اُس پر دس بار رحمت نازل فرمائے گا۔ اور اس حدیث کی تصدیق اُس ہستی سے سُنیئے جس نے اس زمانہ میں اُس حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے زیادہ درود بھیجا تھا۔ آپؑ فرماتے ہیں :-

"ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ درود شریف کے پڑھنے میں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے میں ایک زمانہ تک مجھے استغراق رہا۔ کیونکہ میرا یقین تھا کہ خدا تعالیٰ کی راہیں بہت دقیق راہیں ہیں۔ وہ بجز وسیلۂ نبی کریمؐ کے مل نہیں سکتیں جیسا کہ خدا بھی فرماتا ہے وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ۔ تب ایک مدت کے بعد کشفی حالت میں مَیں نے دیکھا کہ دو سقے یعنی ماشکی آئے اور ایک اندرونی راستے سے اور ایک بیرونی راہ سے میرے گھر داخل ہوئے اور اُن کے کاندھوں پر نور کی مشکیں ہیں اور کہتے ہیں ھٰذَا بِمَا صَلَّیْتَ عَلٰی مُحَمَّدٍ۔" (تذکرہ ص۸۰)

صلوٰۃ وسلام کیسے بھیجیں

بخاری اور مسلم دونوں میں یہ روایت آتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کعب بن عجرہ نے پوچھا کہ حضور! ہم آپ پر درود کیسے بھیجیں؟ اور بشر بن سعد سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر صلوٰۃ کا حکم دیا ہے، اس کی تعمیل کیسے ہو؟ تو آپؐ نے کچھ خاموشی اختیار فرمانے کے بعد فرمایا :-

قُوْلُوْا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

(مسلم کَیْفَ الصَّلٰوۃُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ)

پس حکم رسول بمنشاء خداوندی وہ مصداق تھے مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى کے۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود ٭ گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

ہم ہر نماز میں اس حکمِ خداوندی کی تعمیل کرتے ہیں اور ہر تشہّد میں حضورؐ پر سلام بھیجتے ہیں۔ عاجز راقم الحروف کو ایک بار نماز میں حضرت مولانا شیر علی صاحب رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھڑا ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ جب التحیات میں بیٹھے تو السلام علیک ایّھا النبیّ کو آپ بار بار دُہراتے تھے۔ نہ جانے کتنی بار آپ نے یہ فقرہ دُہرایا۔ جب حضورؐ کا اسم گرامی آتے ہم صلی اللہ علیہ وسلم کہیں۔ جب دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھائیں تو پہلے درود پڑھیں اور چلتے پھرتے آپؐ کے احسانوں کو یاد کرکے اور ان قربانیوں کو یاد کرکے جو آپؐ نے راہِ خداوندی میں کیں اور ان قربانیوں کو یاد کرکے جو صحابہؓ نے آپؐ کی تربیت کی وجہ سے خدا کے نام کو بلند کرنے کے لئے کیں آپؐ پر درود بھیجیں۔ یہ درس ہمیں شہیدِ اُحد سعدؓ بن ربیع نے اُحد کے میدان سے دیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تحت ایک صحابی ان کی خبرگیری کے لئے گئے تو دیکھا سعدؓ بن ربیع شدید زخمی ہیں اور ان کا دمِ واپسیں آپہنچا ہے۔ انہوں نے کہا اے سعد! مجھے حضورؐ نے تمہاری خبرگیری کے لئے بھیجا ہے۔ سعدؓ نے کہا میرا آخری وقت ہے میرا سلام میرے آقا کو کہنا اور عرض کرنا کہ حضور! نبیوں کے متبعین کی قربانی کی وجہ سے جو ثواب انبیاء علیہم السلام کو ملتا ہے اس بارہ میں اللہ تعالیٰ آپ کی آنکھ سب انبیاء سے زیادہ ٹھنڈی کرے۔

حضورؐ کی تعظیم کا اظہار

صلوٰۃ کے ایک معنے حضورؐ کی تعظیم کا اظہار ہے اور احمدیت کے قیام کی غرض ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان کا اظہار ہے۔ اس حقیقت کو جاننے والے یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اعلان فرمایا:۔

”اندھے مخلوق پرستوں نے اس بزرگ رسول کو شناخت نہیں کیا جس نے ہزاروں نمونے سچی ہمدردی کے دکھلائے۔ لیکن اب مَیں دیکھتا ہوں کہ وہ وقت پہنچ گیا ہے کہ یہ پاک رسول شناخت کیا جائے۔ چاہو تو میری بات کو لکھ رکھو۔“

(انجام آتھم اشتہار ملحقہ)

فرشتوں سے ہم آہنگی

جب عرش پر ایک بات کا فیصلہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس کی تعمیل میں لگ جاتے ہیں۔ اُس وقت اُن کی کوششوں سے اپنی کوششوں کو ہم آہنگ کرنا کامیابی کو قریب تر کرتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اگر تم نے دُعا کی قبولیت کے لئے اپنی آواز فرشتوں کی آواز سے ہم آہنگ کر دی تو تمہاری دُعا قبول ہو جائے گی فَمَنْ وَافَقَ تَأْمِيْنُهٗ تَأْمِيْنَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔ (بخاری کتاب الدّعوات باب التامین)

خدا کے فرشتوں کی تحریک کو ہی دیکھ کر قدرتِ ثانیہ کے تیسرے مظہر نے ہمیں اس طرف بُلایا ہے دَورِ احمدیت کی پکار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند شان کا اظہار ہے۔ امامِ وقت کا مطالبہ ہے اور صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا تقاضا ہے کہ جہاں جہاں احمدی بستے ہوں وہاں کی فضائیں درود شریف سے معمور ہو جائیں اور حضورؐ کی عظمتِ شان کے اظہار کے لئے مرد عورت کی بازی لگا دیں۔ ہر تیر جو امامِ معصومینؐ کی طرف پھینکا جائے ابو طلحہؓ کی طرح اُسے اپنے سینوں پر لینے کے لئے تیار ہو جائیں۔ اور اِس کثرت سے درود شریف پڑھا جائے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام اور ہمارے آقا سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ میں "دل و جان درود سے معطّر ہو جائے"۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

درود شریف اور اس کی حکمت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

" اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر ہے کہ نبیٔ معصوم صلی اللہ علیہ وسلم آیا اور بُت پرستوں سے اس نے نجات دی۔ یہی وہ راز ہے کہ یہ درجہ صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان احسانوں کے معاوضہ میں ملا کہ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔"

(ملفوظات جلد دوم ص۱۵۱)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے حُسنِ اخلاق اور حُسنِ معاملہ سے متعلق ایک نہایت دلچسپ اور ایمان افروز روایت

(مکرم جناب فضل کریم صاحب فارانی ۔ بھیرہ)

اللہ تعالیٰ کے رسول ایک ایسی جماعت چھوڑ کر دُنیا سے رخصت ہوتے ہیں جس کی اکثریت روزمرہ زندگی کے معاملات میں دوسروں کے لئے نمونہ ہوتی ہے۔ وہ بیع و شریٰ وغیرہ میں دوسروں کے حقوق کی اسی طرح حفاظت کرتی ہے جس طرح اپنے حقوق کی۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ میں اس قسم کی اتنی مثالیں ملتی ہیں کہ دوسرے انبیاء کے متبعین میں اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں پایا جاتا۔ آپؐ کے ایک صحابی کا ایک واقعہ بہت مشہور ہے۔ وہ گھوڑوں کی قدر و قیمت کے ماہر تھے انہوں نے ایک دوسرے صحابی سے گھوڑا خریدنا چاہا۔ قیمت دریافت کی تو بائع نے اپنی ناواقفیت اور ناتجربہ کاری کے باعث بہت کم قیمت بتائی۔ مشتری نے بائع کی ناواقفیت سے ناجائز فائدہ اُٹھانا خلافِ ایمان سمجھتے ہوئے اپنے تجربہ کی بناء پر اتنی قیمت لگائی جو بائع کی مُنہ مانگی قیمت سے کہیں زیادہ تھی۔ بائع اپنی مُنہ مانگی قیمت پر اصرار کرتا رہا اور مشتری اصل اور واجبی قیمت دینے پر مُصر تھا۔ آخر دوسروں نے فیصلہ کرایا۔

دَورِ حاضر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزندِ جلیل اور ظِلِّ کامل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت میں بھی ایسے واقعات پیش آتے رہے ہیں جن میں سے ایک ایسا واقعہ آپؑ کی مبشر اولاد میں سے قمرالانبیاء حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ سے متعلق ہے جو ابتک شائع نہیں ہوا۔ یہ واقعہ میاں غلام رسول صاحب صدر جماعت احمدیہ محلہ تحصیل بھیرہ ضلع سرگودھا نے جو حضرت میاں تاج محمود صاحبؓ کے صاحبزادہ ہیں مجھ سے یُوں بیان کیا ہے :-

"حضرت میاں نجم الدین صاحبؓ جو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے قریبی عزیز اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں آپؑ کے لنگر اور مہمانخانہ کے افسر تھے دو صاحبزادیاں سعیدہ صاحبہ اور صفیہ صاحبہ اور کچھ منقولہ جائداد قادیان اور بھیرہ میں چھوڑ کر فوت ہو گئے۔ صفیہ صاحبہ میرے عقد میں ہیں۔ ۱۹۴۶ء کے موسم گرما میں ہم دونو میاں بیوی قادیان گئے اور ضرورت کے ماتحت حضرت میاں نجم الدین صاحبؓ کا متروکہ مکان جو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے مکان کی جانبِ شرق واقعہ ہے فروخت کرنا چاہا۔ احمدیہ بازار میں آویزاں ایک بورڈ پر اشتہار لگا دیا۔ حضرت قمرالانبیاءؓ کو اسکا علم ہوا تو مجھے میری قیامگاہ سے بلا بھیجا اور فرمایا کہ مجھے اس مکان کی ضرورت ہے آپ کیا لیں گے؟ مَیں نے عرض کیا جو حضور پسند

فرمائیں۔ آپؓ اصرار فرماتے رہے کہ قیمت میں بتاؤں اور میں مُصر رہا کہ وہ تجویز فرمائیں۔

آخر آپؓ نے فرمایا کہ میرا رقعہ فلاں اوورسیر (جن کا نام مجھے اب یاد نہیں رہا) کے پاس گلگت ہاؤس لیجاؤ وہ جو قیمت لگادیں گے میں دیدونگا۔ میں حسب ارشاد رقعہ لیکر اوورسیر کے پاس پہنچا۔ وہ اسی وقت میرے ساتھ ہولئے۔ مکان کا اچھی طرح معائنہ کرکے اور ہر چیز کی فہرست بنا کر اور چار سو چودہ روپے قیمت لگا کر رقعہ میرے حوالے کیا۔ میں نے حضرت قمر الانبیاءؓ کی خدمت میں رقعہ پیش کر دیا۔ آپؓ نے بغور پڑھ کر فرمایا وہ مکان میرا دیکھا ہوا ہے اوورسیر صاحب نے اندازہ غلط لگایا ہے۔ انہیں یہ غلطی لگی ہے کہ انہوں نے مکان کی قیمت لگانے میں شہری سکنی زمینوں کی قیمت لگانے کی بجائے زرعی زمینوں کی قیمت لگائی ہے وہ مکان تو اس سے زیادہ قیمت کا ہے۔ مجھے فرمایا آپ کا کیا خیال ہے؟ میرے مُنہ سے بے اختیار نکل گیا کہ مکان نو سو کا ہے۔ فرمایا درست ہے۔ کیا آپ کے ساتھ میاں نجم الدین صاحب کی دوسری صاحبزادی بھی آئی ہوئی ہیں؟ عرض کیا نہیں۔ فرمایا جلسہ سالانہ پر اُسے بھی ساتھ لانا اور دونوں بہنوں سے رجسٹری کرا دینا۔ یہ لو ایک سو روپیہ بیعانہ۔

جب ہم تینوں جلسہ سالانہ پر آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو فرمایا کہ میاں نجم الدین صاحبؓ تو اس مکان کی نسبت وصیت کر گئے تھے کہ وہ میری دونو بیٹیوں کے قبضہ میں انکی حیات تک رہے گا انکی وفات کے بعد صدر انجمن کی ملکیت ہوگی۔ آپ نے ناظم جائداد صدر انجمن کو بلوا کر اس وصیت سے متعلق ہماری تسلی کرا دی۔

اس پر میں نے عرض کیا کہ پھر بیعانہ ایک سو روپیہ میں واپس کر دونگا اس وقت ساتھ نہیں لایا پھر کسی وقت خدمت مبارک میں بھجوا دونگا۔ مگر آپ نے فرمایا اس وقت مکان کی مجھے اشد ضرورت ہے وہ مجھے کرایہ پر دیدیں۔ چنانچہ تین روپے ماہوار کرایہ مقرر ہوا۔ اس کے ساتھ آپ نے مجھے تاکید فرمائی کہ جب ایک سو روپیہ کرایہ وضع ہو جائے تو مزید کرایہ کا مجھ سے مطالبہ کرنا۔

ابھی سال بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ جماعت کو قادیان سے ہجرت کر کے پاکستان آنا پڑا اور آپؓ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ لاہور میں مقیم ہوئے لیکن آپؓ کے لاہور میں قیام کے دوران آپؓ سے میری ملاقات نہ ہو سکی۔ جب آپؓ ربوہ تشریف لا کر مقیم ہوئے تو میں آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور نے مکان تو استعمال نہیں کیا میں ایک سو روپیہ بیعانہ والا لے کر حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا نہیں مکان تو اب بھی میرے قبضہ میں ہے جیسا کہ آپ سے پہلے کہا تھا جب بھی یہ روپیہ کرایہ میں ختم ہو جائے آپ مجھ سے مزید کرایہ کا مطالبہ کریں۔ میرے اصرار کے باوجود آپؓ نے وہ روپیہ لینے سے انکار کر دیا بلکہ اُلٹا مجھے تاکید فرماتے رہے کہ اس کے ختم ہونے پر مزید روپیہ کا مطالبہ کرنا میں واپس چلا آیا مگر اس غرض سے پھر کبھی آپؓ کی خدمت میں حاضر نہ ہوا" +

مسیح علیہ السلام ۲۵ دسمبر کو پیدا نہیں ہوئے تھے

عیسائی محققین کی طرف سے قرآنی صداقت کا واضح اعتراف

قرآن مجید کے نزول سے صدیوں پہلے سے ہی عیسائی دنیا اس بات کو ایک تاریخی صداقت کے طور پر تسلیم کرتی چلی آرہی تھی کہ مسیح علیہ السلام ۲۵ دسمبر کو پیدا ہوئے تھے۔ اسی بناء پر وہ کرسمس کا تہوار اہتمام سے مناتی چلی آرہی تھی۔ عیسائی دنیا کی اس "تاریخی صداقت" اور ان کے صدیوں پرانے تعامل کے برخلاف قرآن مجید نے دنیا میں یہ اعلان کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۲۵ دسمبر کو نہیں بلکہ ایسے موسم میں پیدا ہوئے تھے جبکہ کھجوروں کے درختوں پر کثرت کے ساتھ پھل لگتا ہے۔ چنانچہ سورۂ مریم میں اللہ تعالیٰ حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ فرشتہ نے ظاہر ہو کر حضرت مریمؑ سے کہا:۔

وَهُزِّىٓ إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝ فَكُلِى وَاشْرَبِى وَقَرِّى عَيْنًا ؕ

(سورۃ مریم آیت ۲۶، ۲۷)

اور (وہ) کھجور (جو تیرے قریب ہوگی) اس کی ٹہنی کو پکڑ کر اپنی طرف ہلا وہ تجھ پر تازہ بتازہ پھل پھینکے گی۔ پس ان کو کھاؤ اور (چشمہ سے پانی بھی) پیو اور (خود نہا کر اور بچہ کو نہلا کر) اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح علیہ السلام ایسے موسم میں پیدا ہوئے تھے جس میں کثرت سے کھجوروں کے درختوں پر پھل لگتا ہے جبھی تو فرشتہ نے آکر حضرت مریمؑ سے کہا کہ کھجور کی ٹہنی کو پکڑ کر اپنی طرف ہلا وہ تجھ پر تازہ پھل پھینکے گی۔ اس کثرت سے کھجوریں جولائی اگست میں ہی لگتی ہیں کہ ٹہنی ہلانے سے کھجوریں گرنے لگیں۔ دسمبر میں تو کھجوروں پر برائے نام پھل لگتا ہے۔ قرآن مجید کے اس بیان سے صاف عیاں ہے کہ مسیح علیہ السلام ہرگز ۲۵ دسمبر کو پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کی ولادت جولائی یا اگست کے مہینہ میں کسی تاریخ کو ہوئی تھی۔

عیسائی دنیا نے قرآن مجید کے اس بیان کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور وہ اس بات پر مُصر رہی کہ مسیح علیہ السلام ۲۵ دسمبر کو ہی پیدا ہوئے تھے۔ اُدھر قرآن مجید کے بعض مفسروں نے بھی عیسائی تاریخ اور عیسائی دنیا کے اس تعامل سے متاثر ہو کر کہ وہ کرسمس کا تہوار ۲۵ دسمبر کو مناتی ہے یہ لکھ ڈالا کہ مسیح علیہ السلام ۲۵ دسمبر کو ہی پیدا ہوئے تھے اور قرآن مجید کے بیان کی رُو سے آپ کی ولادت کے وقت حضرت مریمؑ کے درخت کی ٹہنی ہلانے سے جو تازہ کھجوریں درخت سے گری تھیں اور انہیں حضرت مریمؑ نے کھایا تھا تو یہ ایک معجزہ تھا جو اُس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہوا۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تفسیر کبیر جلد چہارم میں سورۂ مریم کی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے قرآن مجید کی رُو سے اس امر کی پُر زور تردید فرمائی ہے کہ مسیح علیہ السلام ۲۵ دسمبر کو پیدا ہوئے تھے اور لکھا ہے کہ قرآن مجید سے صاف پتہ لگتا ہے کہ آپ کی پیدائش جولائی یا اگست کے مہینہ میں ہوئی تھی۔ آپ نے اس بارہ میں بعض مفسرین کے اس خیال کی بھی تردید فرمائی ہے کہ دسمبر میں درخت سے کھجوروں کا گرنا ایک معجزہ تھا۔ چنانچہ آپؓ نے لکھا کہ یہاں صرف کھجوریں گرنے کا ہی ذکر نہیں بلکہ چشمہ میں نہانے کا بھی ذکر ہے شدید سردی کے موسم میں حضرت مریمؑ خود اور اپنے نوزائیدہ بچے کو کیسے چشمہ کے سرد اور خنک پانی میں نہلا سکتی تھیں۔ اصل بات یہی ہے کہ وہ گرمی کا موسم تھا جبکہ درختوں پر خوب کھجوریں لگی ہوئی تھیں اور اُس وقت چشمہ میں بآسانی نہایا بھی جا سکتا تھا۔ چنانچہ آپؓ نے رقم فرمایا۔

"قرآن بتاتا ہے کہ مسیح اُس موسم میں پیدا ہوئے جس میں کھجور پھل دیتی ہے اور کھجور کے زیادہ پھل دینے کا زمانہ دسمبر نہیں ہوتا بلکہ جولائی اگست ہوتا ہے۔ اور پھر جب ہم یہ دیکھیں کہ خدا تعالیٰ نے اُنہیں ایک چشمہ کا بھی پتہ بتایا جہاں وہ اپنے بچہ کو نہلا سکتی تھیں اور اپنی بھی صفائی کر سکتی تھیں تو اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ جولائی اگست کا مہینہ تھا ورنہ سخت سردی کے موسم میں چشمہ کے پانی سے نہانا اور بچہ کو بھی غسل دینا خصوصاً ایک پہاڑ پر اور عرب کے شمال میں عقل کے بالکل خلاف تھا۔"

(تفسیر کبیر جلد چہارم صفحہ ۱۷۹)

ہر چند کہ عیسائی دنیا آج بھی ۲۵ دسمبر کو ہی کرسمس کا تہوار مناتی ہے لیکن خود عیسائی محققین نے تاریخی اعتبار سے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ مسیح علیہ السلام ہرگز ۲۵ دسمبر کو پیدا نہیں ہوئے تھے، انکی ولادت گرمی کے موسم میں ہوئی تھی۔ ابتدائی مسیحیوں میں کرسمس کا تہوار منانے یا ۲۵ دسمبر کو مسیح کا یوم ولادت

تسلیم کرنے کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ یہ تہوار بہت بعد میں منایا جانے لگا اور اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ اس روز مسیح علیہ السلام پیدا ہوئے تھے بلکہ چونکہ اس روز سلطنتِ روما کے مشرکین سورج دیوتا کی پیدائش کا دن بڑی دھوم دھام سے مناتے تھے اس لئے عیسائیوں نے بھی اُس روز مسیح کی پیدائش کا جشن منانا شروع کر دیا۔ اس بارہ میں اب تک بہت سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ مزید برآں یورپ اور امریکہ کے رسالوں میں بھی آئے دن ایسے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں جن میں اس امر پر زور دیا جاتا ہے کہ مسیح علیہ السلام ہرگز ۲۵ دسمبر کو پیدا نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ امریکہ کے مشہور عیسائی رسالہ "دی پلین ٹروتھ" (The Plain Truth) کے دسمبر ۱۹۶۸ء کے شمارہ میں بھی اس موضوع پر ایک تفصیلی مضمون شائع ہوا ہے۔ یہ مضمون ایک شخص کے سوال کے جواب میں ادارہ کی طرف سے لکھا گیا ہے۔ اُس شخص نے سوال کیا تھا کہ ہر سال اخبارات اور رسائل میں کرسمس کی مذہبی حیثیت زیرِ بحث آتی رہتی ہے کیا واقعی یہ صحیح ہے کہ کرسمس فی الاصل ایک مسیحی تہوار نہیں ہے؟ اس کے جواب میں رسالہ مذکور میں جو طویل مضمون شائع ہوا ہے وہ بہت دلچسپ اور معنی خیز ہے۔ اس کے بعض اقتباس ہم ذیل میں درج کرتے ہیں ـــــ مضمون نگار مذکور سوال کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہے :-

"عام طور پر تو یہی خیال کیا جاتا ہے کہ کرسمس کا تہوار یسوع مسیح کے یوم پیدائش کی یاد میں منایا جاتا ہے لیکن لمحہ بھر کے لئے غور کرو اور دیکھو کہ کیتھولک، پروٹسٹنٹ اور غیر مذہبی مؤرخین اس بارہ میں کیا کہتے ہیں۔

کیتھولک انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے ـــــ "کرسمس کا تہوار ابتدائی کلیسیا کے تہواروں میں شامل نہ تھا۔ اریناٸیس اور ٹرٹولین (جو ۲۰۰ عیسوی کے لگ بھگ کے زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں اور جن کا شمار اُس زمانہ کے نامور عیسائی مصنفین میں ہوتا ہے) مسیحی تہواروں اور عیدوں کی فہرست میں کرسمس کا کوئی ذکر نہیں کرتے ....."

(جلد ۳ صفحہ ۷۲۴)

اسی طرح مشہور پروٹسٹنٹ انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے ـــــ "کرسمس کا تہوار منانے کے متعلق کوئی خدائی حکم موجود نہیں ہے ..... پہلی تین صدیوں کے مسیحی فادرز مسیح کی پیدائش کے سلسلہ میں کسی تقریب یا تہوار کے منائے جانے کا کوئی ذکر نہیں کرتے"

(Cyclopedia of Biblical, Theological & Ecclesiastical Literature, M'Clintock & Strong Vol. 3, P 276)

کیتھولک انسائیکلوپیڈیا میں مزید لکھا ہے ۔۔۔۔ "جیروم اور آگسٹائن کے زمانہ یعنی چوتھی صدی عیسوی کے وسط میں دسمبر کی عید (یعنی کرسمس۔ ناقل) باقاعدہ معرضِ وجود میں آئی" (جلد ۳ صفحہ ۷۲۵)

وہ خاص سال جس میں کلیسیا نے باقاعدہ کرسمس کو بطور مستقل تہوار کے منانے کا فیصلہ کیا ۳۵۴ عیسوی ہے۔ اس سے قبل کلیسیا میں ۲۵ دسمبر کو مسیح کے اعزاز میں کسی قسم کی کوئی یادگاری تقریب نہیں منائی جاتی تھی۔

عہد نامہ جدید کے ریکارڈ سے اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ مسیح کی ولادت دسمبر کے اواخر میں ظہور میں نہ آ سکتی تھی۔ اس کی ولادت کی صحیح تاریخ کا کوئی پتہ نہیں ملتا کیونکہ حواریوں نے مسیح کا یوم ولادت کبھی منایا ہی نہ تھا۔ البتہ تمام تاریخی شواہد اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ مسیح کی ولادت موسمِ خزاں میں (یعنی سردی کا موسم شروع ہونے سے قبل موسمِ گرما کے جاتے بعد کسی تاریخ کو۔ ناقل) ہوئی تھی۔ ۔۔۔۔

ازمنہ قدیم میں شام اور بابل نیز متعدد دیگر مشرقی ممالک میں ۲۵ دسمبر کو تہوار منانے کی رسم عام تھی اور وہاں کی مشرک آبادی اسے خاص اہتمام سے مناتی تھی۔ یہ صحیح ہے کہ اس وقت اسے "کرسمس" کے نام سے یاد نہیں کیا جاتا تھا۔ اس نام سے اسے بہت بعد میں موسوم کیا جانے لگا۔

سلطنتِ روما کے عیسائیت قبول کرنے کے بعد سب سے پہلے پوپ لائبیری اُس (Liberius) نے ۳۵۴ عیسوی میں کرسمس کو کلیسیائی تہوار کا درجہ دیکر اسے باقاعدہ منانے کا اعلان کیا یعنی مسیح کی پیدائش کے ۳۵۷ سال بعد۔ اس سے قبل رومی آبادی کا صرف وہ طبقہ جو مشرکوں پر مشتمل تھا ۲۵ دسمبر کو تہوار کی شکل میں منایا کرتا تھا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اہلِ روما اس دن (۲۵ دسمبر) کو تہوار کے طور پر کیوں منانے لگے تھے؟ سو اس سلسلہ میں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ مسیح کی ولادت سے اڑھائی سو سال بعد اہلِ روما بہت سے دیوتاؤں کی پرستش کرنے لگے تھے۔ اس زمانہ میں ان کا سب سے اہم اور بڑا دیوتا جیوپیٹر (Jupiter) تھا۔ اس کا تہوار ہر سال

ستمبر کے مہینہ میں منایا جاتا تھا لیکن ۲۷۳ عیسوی میں جیو پیٹر کو معزول کر دیا گیا اور ایک اور عظیم دیوتا مشرک روم کا معبود اعلیٰ بن گیا۔ وہ تھا "سورج دیوتا" بل یا جسل۔ سلطنت روما میں اس نئی مشرکانہ عبادت کو رواج دینے والا شہنشاہ اور یلین (Aurelian) تھا۔" (دی پلین ٹروتھ دسمبر ۶۸ء صفحہ ۲۹، ۳۰)

"پلین ٹروتھ" نے اپنے اس مضمون میں یہ بتانے کے بعد کہ ــــ تاریخی شواہد اور عہد نامہ جدید کے ریکارڈ کی رُو سے مسیح علیہ السلام ہرگز بھی ۲۵ دسمبر کو پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کی ولادت موسم خزاں یعنی موسم گرما کے معاً بعد ہوئی تھی اور یہ کہ کرسمس کے تہوار کو ابتدائی مسیحیت میں کوئی تقدس حاصل نہ تھا بلکہ یہ اہل روما کا جو سراسر شرک میں مبتلا تھے ایک تہوار تھا جسے مسیح علیہ السلام کی وفات کے ساڑھے تین سَو سال بعد کلیسیا نے اپنا کر مسیح علیہ السلام کے یوم ولادت کے طور پر اسے منانا شروع کر دیا ــــ یہ نہایت اہم سوال بھی اُٹھایا ہے کہ آخر کلیسیا کو یہ کیا سُوجھی کہ اُس نے اہل روما اور بعض دوسرے مشرکوں کی اتباع کرتے ہوئے کرسمس کا تہوار منانا شروع کر دیا اور یہ تہوار منانے کی خاطر ۲۵ دسمبر کو مسیح کا یوم ولادت قرار دیدیا درآنحالیکہ مسیح علیہ السلام ۲۵ دسمبر کو نہیں بلکہ موسم خزاں کی کسی تاریخ کو پیدا ہوئے تھے۔ فی الواقعہ یہ نہایت اہم سوال ہے اور رسالہ مذکور نے اس کا جواب دیا بھی ہے بہت تفصیل سے، اور پھر یہ جواب ہے بھی بہت دلچسپ، اس لئے کہ اس سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ کلیسیا کس طرح مشرکانہ رسوم و رواج اور عقائد و نظریات کو اپنا کر مسیح علیہ السلام کی لائی ہوئی تعلیم کو بگاڑتا اور خود ان کے نام پر بالکل ایک نئے اور خود ساختہ مذہب کو اپناتا رہا۔ چنانچہ مروّجہ عیسائیت کی بنیاد اسی نئے اور خود ساختہ مذہب پر ہے۔

"دی پلین ٹروتھ" مذکورہ بالا سوال کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہے:۔

"روم میں بعل نامی سورج دیوتا کی پرستش شروع ہونے کے پچاس سال بعد شہنشاہ قسطنطین نے عیسائیت قبول کی کلیسیا نے اسے ترغیب دلائی کہ وہ ہر اُس تہوار کی بیخ کنی کرے جو کلیسیا کے نزدیک لامذہبیت یا بُت پرستی کے ذیل میں آتا ہے۔ ۲۵ دسمبر کا تہوار بھی اسی ذیل میں آتا تھا اور اسے ترک کرنا بھی ضروری تھا لیکن یہ ترغیب و تحریص ناکام ثابت ہوئی۔ شہنشاہ یا کلیسیا کے سر برآوردہ لوگوں کے لئے اس بارہ میں

کچھ کرنا ممکن نہ تھا۔

شہنشاہ سے مشورہ کے دوران کلیسیا نے اس پر یہ اثر ڈالا کہ وہ یہ قانون نافذ کردے کہ ان تمام رومی غلاموں کو آزاد کر دیا جائے گا جو عیسائیت قبول کرلیں گے۔ اس عجیب و غریب اور پُرکشش پیشکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ بے شمار لامذہب اور بدمذہب رومیوں نے دھڑا دھڑ عیسائی ہونا شروع کر دیا۔ کلیسیا کو توقع یہ تھی کہ اس قسم کے اقدام کے نتیجہ میں بپتسمہ لینے والے یہ مشرکانہ تہوار اور خاص طور پر ۲۵ دسمبر کا تہوار منانا ترک کر دیں گے۔

لیکن اس پروگرام کا نتیجہ اُلٹ نکلا۔ کلیسیا میں شامل ہونے والے مشرکوں کا یہ نیا طبقہ بدستور اپنے سابقہ مذہب یعنی سورج کی پرستش کی پیروی کرتا رہا۔ ہر سال ۲۵ دسمبر کو وہ رومی عوام کے ساتھ مل کر سورج دیوتا کا تہوار مناتے اور اس میں ان کے برابر کے شریک رہتے۔

یہ صورتِ حال کلیسیا کے لئے ایک عقدۂ لاینحل ثابت ہوئی۔ اس نے بار بار روما کے عیسائی شہنشاہ یعنی قسطنطین سے اس بارہ میں سخت قسم کے قوانین نافذ کرنے کی درخواست کی۔ اُسے توقع تھی کہ اس قسم کے احکامات روم کی مشرک آبادی کو سورج دیوتا کا تہوار منانے سے باز رکھنے میں ممد ثابت ہوں گے۔

لیکن قسطنطین نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اُس نے بلا وجہ انکار نہیں کیا۔ وہ ڈرتا تھا کہ اگر اُس نے عوام کو صرف مسیحی رسم و رواج کی پابندی پر مجبور کیا اور اس بارہ میں سختی سے کام لیا تو کہیں روم کی ساری کی ساری مشرک آبادی اُس کے خلاف نہ اُٹھ کھڑی ہو۔ وہ کسی حال میں بھی یہ نہیں چاہتا تھا کہ دونوں طبقے (مشرک اور عیسائی) ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار ہو جائیں اور اس طرح سلطنت کا اتحاد اور اس کا استحکام معرضِ خطر میں پڑ جائے۔ قسطنطین نے اس مسئلہ کا حل یہ نکالا کہ ہر دو طبقوں کو ایک دوسرے کے قریب لایا اور دونوں ہی کی کچھ نہ کچھ باتیں مان کر انہیں خوش کر دیا جائے۔

قسطنطین نے کلیسیا کو مشورہ دیا کہ وہ بین بین کوئی راہ نکالے۔ کچھ مشرک آبادی آگے بڑھے اور کچھ کلیسیا آگے آئے اور اس طرح دونوں درمیان میں ایک دوسرے سے آملیں۔ وہ چاہتا تھا کہ مشرکوں کو وہ تہوار جن کے وہ عادی ہو چکے ہیں منانے کی اجازت

دیدی جائے۔ شہنشاہ کا مشورہ جو کافی حد تک معقول تھا یہ تھا کہ ایسے حالات پیدا نہ کرو کہ مشرک عیسائیت سے دُور بھاگیں بلکہ کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ ان کے لئے عیسائیت کو قبول کرنا آسان ہو جائے۔

کلیسیا نے یہی کیا۔ اُس نے شہنشاہ کی نصیحت پر عمل کرکے روم کی مشرک آبادی کے ساتھ مفاہمت کر لی۔ یہی وجہ ہے اُرنگس (Aringus) مشرکوں اور عیسائیوں کے طریق عبادت میں یکسانیت کا اعتراف کرتا ہے۔ وہ مزید رقمطراز ہے کہ "کلیسیائی رہنماؤں نے یہ ضروری سمجھا کہ غیر یہودی اقوام کو عیسائیت کا حلقہ بگوش بنانے کی خاطر بعض ناروا باتوں کو گوارا اور بعض صحیح باتوں کو نظر انداز کرکے تقاضائے وقت کے آگے ہتھیار ڈال دیئے جائیں۔" (ملاحظہ ہو Taylor's Diegesis صفحہ ۲۳۷)

اُس وقت جو مسئلہ درپیش تھا اُسے کلیسیا نے جس طرح حل کیا اُسے ڈاکٹر ہوئیکاس (Dr. Hooykas) نے بہت مناسب الفاظ میں بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے "کلیسیا ہمیشہ اس بات کی فکر میں رہتا تھا کہ مشرکوں کے ساتھ کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پر مفاہمت ہو جائے، وہ انہیں ان تہواروں کو جن کے وہ عادی تھے مسیحی شکل دیکر یا اُن کے ساتھ کوئی نئی مسیحی اہمیت وابستہ کرکے برقرار رکھنے کی اجازت دینے کے لئے تیار رہتا تھا۔" (دی بائبل فار ماڈرنز جلد ۳ صفحہ ۱۵)

مشرکوں کی رسوم اور اُن کے رواج کو ختم کرنے میں اپنے آپ کو بے بس پاکر کلیسیا نے ان رواجوں اور تہواروں کو جن سے روم کے مشرک اور لامذہب خوب لطف اندوز ہوا کرتے تھے اپنے رنگ میں پاک وصاف اور مطہّر کرنے کی کوشش کی۔ سوال پیدا ہوتا تھا کہ ۲۵ دسمبر کی تقریبات کو وہ کس طرح پاک وصاف اور مطہّر بنائیں؟ کلیسیا نے جوابی ردّ عمل کے طور پر ۲۵ دسمبر کو منعقد ہونیوالی سورج دیوتا کی تقریبات کو از خود اپنا لیا اس بارہ میں تاریخ کی شہادت یہ ہے کہ ——"اس امر میں شبہ کی گنجائش نہیں کہ کلیسیا اس فکر میں تھا کہ مشرکوں کے قدیمی تہواروں کے دنوں سے مسیحیوں کی توجہ ہٹانے کے لئے عین انہی ایام میں بعض مسیحی تہوار منانے کی ترغیب دی جائے۔ (انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس ہیز ہیسٹنگز۔ جلد ۳ صفحہ ۶۰)

بعینہٖ یہی کچھ ۳۵۴ عیسوی میں ہوا جبکہ کلیسیا نے پہلی مرتبہ ۲۵ دسمبر کو یسوع مسیح کی ولادت کا دن منایا یعنی عین اُس تاریخ کو کہ جس روز روما کے مشرک اپنے سورج دیوتا

کی پیدائش کا تہوار مناتے چلے آرہے تھے۔ کلیسیا کا خیال یہ تھا کہ وہ اس طرح اہل روما کو کائنات کے مادی سورج کی مشرکانہ پرستش کی بجائے "آفتابِ حقیقی" یعنی یسوع مسیح کی پرستش کرنے کی طرف راغب کرسکے گا۔

یہ ہیں وہ وجوہات کہ کلیسیا مشرکوں سے ان کے مشرکانہ طریقے ترک کرانے کی کوشش کرتے کرتے خود مسیح کی پرستش کرنے میں انہی کے رسوم و رواج اختیار کرنے پر مجبور ہوگیا۔ اب مشرکوں کے لئے ۲۵ دسمبر کی تقریبات کو اپنے سورج دیوتا تعل کے یوم پیدائش کی یاد میں منانا ضروری نہ تھا۔ انہیں ترغیب دلائی گئی کہ وہ ۲۵ دسمبر کو اپنے مشرکانہ رسوم و رواج پر عمل پیرا رہتے ہوئے سورج دیوتا کی بجائے خدا کے بیٹے کی تعظیم و تقدیس اور اسی کی عبادت کیا کریں ـــــ سو یہ ہے کرسمس کا آغاز اور اس کی ابتداء"۔ (دی پلین ٹروتھ دسمبر ۶۸ صفحہ ۳۱)

قرآن مجید کی صداقت اور اس کے منجانب اللہ ہونے کا یہ کتنا عظیم بالشان نشان ہے جو اس زمانہ میں ظاہر ہوا ہے اور اس کے ظہور کا باعث وہی لوگ ہوئے ہیں جو اوّل دن سے قرآن مجید کی صداقت کو جھٹلاتے چلے آرہے ہیں۔ خود عیسائی محققین کا اب آکر یہ اعلان کرنا کہ مسیح علیہ السلام ۲۵ دسمبر کو نہیں بلکہ موسم خزاں میں پیدا ہوئے تھے جو موسم گرما کی شدّت کے بعد موسم سرما سے قبل آتا ہے دراصل اس قرآنی صداقت کا اعتراف ہے کہ مسیح علیہ السلام کی ولادت اُس موسم میں ظہور میں آئی تھی جب کھجور پک جاتی ہے اور درخت پکی ہوئی کھجوروں سے لَد جاتے ہیں یعنی جولائی یا اگست کے مہینے میں۔ ابتداء میں عیسائی دنیا نے جو صدیوں سے ۲۵ دسمبر کو مسیح کے یوم ولادت کے طور پر تسلیم کرتی اور سال بہ سال اس روز باقاعدہ تہوار مناتی چلی آرہی تھی، قرآن مجید کے اس بیان کو جھٹلایا لیکن بالآخر اُسے قرآنی صداقت کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا پڑا بلکہ خود یہ اعتراف بھی کرنا پڑا کہ وہ ابتداء ہی سے مشرک اقوام کے زیرِ اثر مشرکانہ عقائد و نظریات اور مشرکانہ رسوم و رواج کو اپناتی اور اختیار کرتی چلی آرہی ہے۔ جب یہ امر ثابت شدہ ہے اور خود عیسائیوں کے نزدیک بھی ثابت شدہ ہے کہ شاہ قسطنطین کے زیر اثر کلیسیا نے روم کی مشرک آبادی کو عیسائیت کا حلقہ بگوش بنانے کی خاطر خود شرک کی راہ اختیار کرلی تھی اور مشرکانہ طور طریق کو اپنا لیا تھا تو پھر عیسائیت کے مروّجہ عقائد یعنی مسیح کی صلیبی موت، دوبارہ جی اُٹھنا، آسمان پر جانا اور کفارہ وغیرہ کو کیونکر خود مسیح علیہ السلام کی اصل تعلیم کے مطابق قرار دیا جا سکتا ہے۔ مروّجہ عیسائیت ہے ہی سراسر زمانہ مابعد کی ایجاد۔ اسی لئے تو ایک مشہور عیسائی عالم مسٹر والٹر ای بنڈی کو اپنی کتاب "دی ریلیجن آف جیزس" میں لکھنا پڑا:۔

"عیسائی مذہب اپنی تاریخ کے ابتدائی دور اور زمانۂ مابعد میں ترمیم و تنسیخ، اخذ و ترک، اضافوں، ایزادیوں، تبدیلیوں اور بے ہنگم و بے سروپا نشوونما کی بدولت نئی سے نئی صورت اختیار کرتا چلا گیا۔ مسلسل تبدیلیوں کے اس لامتناہی عمل ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ مروّجہ عیسائیت اُس سادہ اور پُرمغز دین سے جو مسیح کی رُوح میں رچا ہوا تھا کوئی علاقہ نہیں رکھتی۔ دونوں میں واضح اور کھلے طور پر تمیز کی جاسکتی ہے۔ جہاں کہیں بھی عیسائیت گئی اور اُسے وہاں پاؤں جمانے اور جڑ پکڑنے کا موقع ملا وہیں مسیح کی ذات و صفات کے متعلق قیاس آرائیوں کا ایک غیر محدود سلسلہ چل نکلا۔ اس کی شخصیت اور ذات کے متعلق فکر و نظر کے عجیب و غریب سلسلے، عقائد و ایمانیات کے بڑے بڑے تفصیلی اور پیچیدہ ڈھانچے، دینی مسائل اور مسیحیت کے مخصوص علم کے بارہ میں نت نئی موشگافیاں، نجات کے نئے سے نئے وسائل، عقائد و مسائل اور ایمانیات کے اقرار کے نئے سے نئے طریقے ایجاد ہوتے اور معرضِ وجود میں آتے چلے گئے۔ حتّٰی کہ ایک مخصوص مجموعۂ عقائد نے حتمی اور جامد صورت اختیار کرلی۔ عقائد کا کسی کی اپنی ذات سے کوئی تعلق نہ رہا بلکہ انہیں کلیسا کی طرف سے باقاعدہ سرکاری حیثیت دے دی گئی۔ عقائد کی یہ سرکاری حیثیت تعصب اور کٹّریت کو جنم دینے کا باعث بنی۔ مسیح کو جو فی الحقیقت ایک تاریخی شخصیت تھا تصوّف، علم الاصنام اور مابعد الطبعیاتی نظریات کے دبیز غلافوں میں ڈھانپ دیا گیا جنہوں نے اسے باقی دنیا سے ہی نہیں بلکہ خود دنیائے عیسائیت کی آنکھوں سے بھی روپوش کرڈالا۔ مسیحیت کے نام پر غیر اہم دینی مسائل اور لایعنی باریکیوں کو خوب کُھل کھیلنے کا موقع ملا۔ انہوں نے مسیح کے اپنے مذہب اور مسلک کو جو نہایت درجہ سادہ، بایں ہمہ حصولِ روحانیت کا مضبوط و مستحکم اور مؤثر ذریعہ تھا گہنا کر رکھ دیا۔"

اہم مرکزی اعلانات

انصار اللہ کے مرکزی اجتماع کی تاریخیں

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی اجازت سے اعلان کیا جاتا ہے کہ بشرطِ اجازت انشاء اللہ العزیز مجلس انصار اللہ کا چودھواں مرکزی سالانہ اجتماع اپنی مخصوص روایات کے ساتھ مؤرخہ ۲۴، ۲۵، ۲۶ اکتوبر ۱۹۶۹ء بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار (اخاء ۱۳۴۸ ہش) ربوہ میں منعقد ہوگا۔ مجالس کو چاہئے کہ ابھی سے اس اجتماع میں شمولیت کے لئے تیاری شروع کر دیں۔ حضور کے تازہ فیصلہ کے مطابق زعماء، زعماء اعلیٰ، ناظمین اور ناظمینِ اعلیٰ کی حاضری اجتماع میں ضروری ہوگی۔ (قائد عمومی مجلس انصار اللہ)

انصار اللہ کے مرکزی اجتماع میں حاضری

مجلس عاملہ انصار اللہ کی سفارش پر سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے سالانہ اجتماع انصار اللہ مرکزیہ میں حاضری کے بارہ میں مندرجہ ذیل فیصلہ فرمایا ہے۔ تمام عہدیداران نوٹ فرمائیں۔

"ناظمین، ناظمین اعلیٰ، زعماء اور زعماء اعلیٰ کی مرکزی اجتماع میں حاضری ضروری قرار دی جاتی ہے سوائے اسکے کہ وہ صدر مجلس انصار اللہ سے قبل از وقت رخصت لے لیں۔"

(قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

امراء کرام کی خدمت میں ایک ضروری گزارش

امراء کرام کی خدمت میں گزارش ہے کہ آپ میں سے اکثر اپنی عمر کے لحاظ سے انصار اللہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ لہذا آپ کی خدمت میں میری مؤدبانہ التماس ہے کہ آپ اگر ماہنامہ انصار اللہ کی خریداری بڑھانے کی طرف تھوڑی سی بھی توجہ فرمائیں تو یقین غالب ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی کوششوں میں غیر معمولی برکت ڈالے گا اور بہت تھوڑے عرصہ میں آپ حضور اقدس کے منشاء مبارک کو پورا کرکے اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو مزید جذب کرنے والے بن جائیں گے۔ چنانچہ حضور اقدس فرماتے ہیں:-

"ماہنامہ انصار اللہ ایک بلند پایہ تربیتی رسالہ ہے جسے ہر احمدی گھرانہ میں موجود ہونا چاہیئے۔"

(مینجر ماہنامہ "انصار اللہ" ربوہ)۔

یہ مت سمجھو جس کو ہم و غم پہنچتا ہے وہ بدقسمت ہے

ابتلاؤں میں ہی دعاؤں کے عجیب و غریب خواص ظاہر ہوتے ہیں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :—

''اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے لیکن جن کو تفرقہ اور ابتلاء نہیں آتا ان کا حال دیکھو کہ کیسا ہوتا ہے ۔ وہ بالکل دنیا اور اس کی خواہشوں میں منہمک ہو گئے ہیں ۔ ان کا سر اوپر کی طرف نہیں اٹھتا ۔ خدا تعالیٰ کا ان کو بھول کر بھی خیال نہیں آتا ۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اعلیٰ درجہ کی خوبیوں کو ضائع کر دیا اور بجائے اس کے ادنیٰ درجہ کی باتیں حاصل کیں کیونکہ ایمان اور عرفان کی ترقی ان کے لئے وہ راحت اور اطمینان کے سامان پیدا کرتی جو کسی مال و دولت اور دنیا کی لذت میں نہیں ہیں ....

جو کہتے ہیں ہم پر کوئی ابتلاء نہیں آیا وہ بدقسمت ہیں ۔ وہ ناز و نعمت میں رہ کر بہائم کی زندگی بسر کرتے ہیں ۔ ان کی زبان ہے مگر وہ حق بول نہیں سکتی ، خدا کی حمد و ثناء اس پر جاری نہیں ہوتی ، بلکہ وہ صرف فسق و فجور کی باتیں کرنے کے لئے اور مزہ چکھنے کے واسطے ہے ۔ ان کی آنکھیں ہیں مگر وہ قدرت کا نظارہ نہیں دیکھ سکتیں بلکہ وہ بدکاری کے لئے ہیں ۔ پھر ان کو خوشی اور مسرت کہاں سے میسر آ سکتی ہے ۔

یہ مت سمجھو کہ جس کو ہم و غم پہنچتا ہے وہ بدقسمت ہے ۔ نہیں ، خدا اس کو پیار کرتا ہے جیسے مرہم لگانے سے پہلے چیرنا اور جراحی کا عمل ضروری ہے ۔ غرض یہ انسانی فطرت میں ایک امر واقع شدہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ یہ ثابت کرتا ہے کہ دنیا کی حقیقت کیا ہے اور اس میں کیا کیا بلائیں اور حوادث آتے ہیں ۔ ابتلاؤں میں ہی دعاؤں کے عجیب و غریب خواص اور اثر ظاہر ہوتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ ہمارا خدا تو دعاؤں ہی سے پہچانا جاتا ہے ۔''

(ملفوظات جلد سوم صفحہ ۲۰۰، ۲۰۱)

ڈائیٹل نصرت آرٹ پریس گولبازار ربوہ میں چھپا ۔